سمو بیلی مست

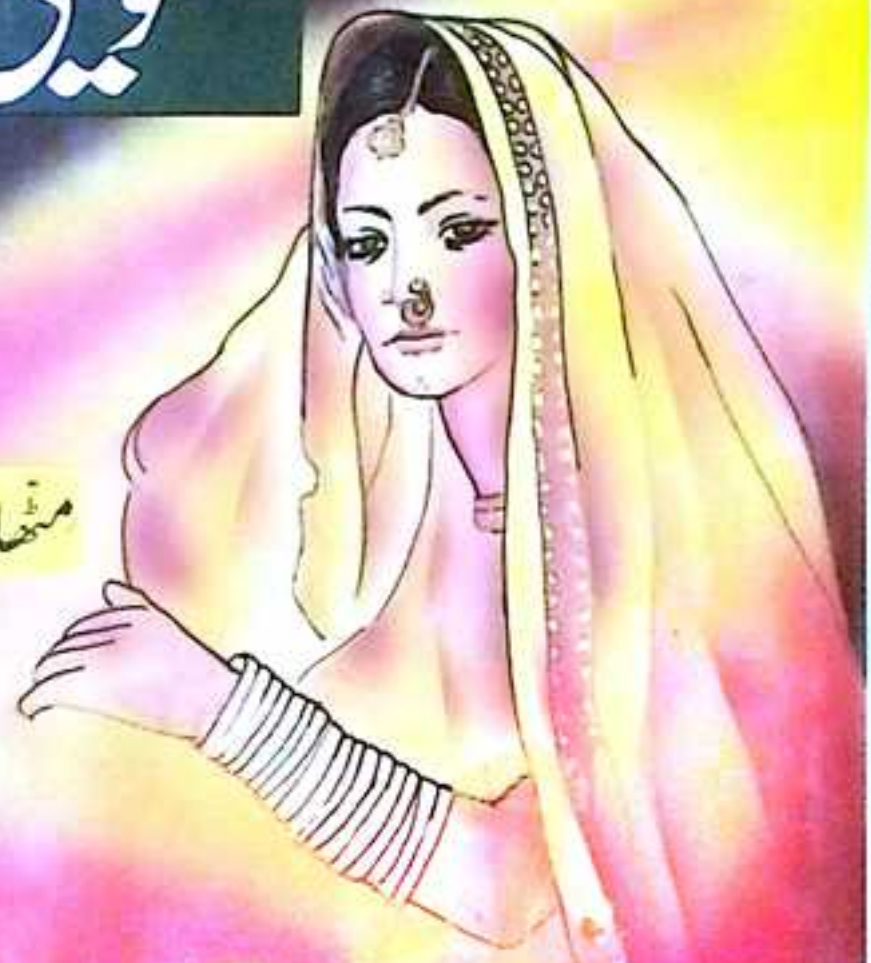

مٹھا خان مری

بلوچی اکیڈمی۔کوئٹہ

سَمّو بیلی مست

: مٹھا خان مری

بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

جملہ حقوق بحق بلوچی اکیڈمی محفوظ ہیں

نام	سمو بیلی مسرت
بار اوّل	مئی ۱۹۹۱ء
تعداد	ایک ہزار
طابع	علی پرنٹرز لاہور
اہتمام	سیلز اینڈ سنز وسنز کوئٹہ
ناشر	بلوچی اکیڈمی۔ کوئٹہ
قیمت مجلد	۸۰ روپیہ
غیر مجلد	۵۰ روپیہ

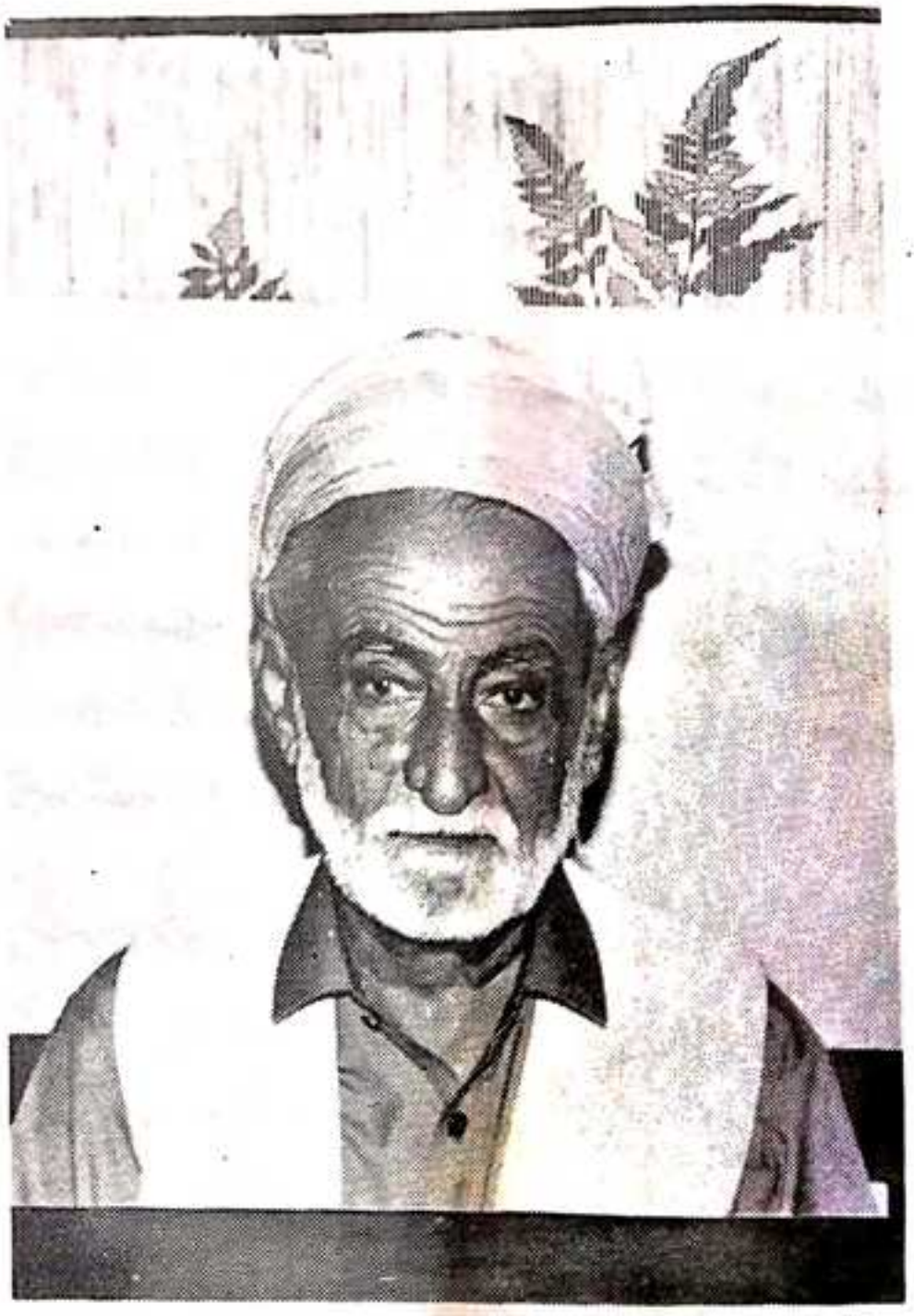

پیش لفظ

میر مٹھا خان مری نے بلوچی ادب میں تحقیق کو فروغ دینے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ان کی کوششوں اور علمی انہماک کی وجہ سے مست توکلی اور رحم علی مری جیسے بے مثال بلوچی شعراء کا کلام منظر عام پر آیا۔ میر موصوف نے حتی الامکان ان دو بڑے بلوچی شعراء کے حالات زندگی کے بارے میں تحریری معلومات فراہم کی ہیں اور ان کے کلام کو یکجا کر کے بلوچی اکیڈیمی سے شائع کیا ہے۔

میر مٹھا خان کی عالمانہ کاوشیں قابلِ تحسین ہیں۔مست توکلی کے بارے میں سب سے اہم اور مستند کام انہوں نے ہی کیا ہے۔انہوں نے صحیح طور پر مست توکلی اور رحم علی مری کے کلام کی بلوچی ادب اور شاعری میں اہمیت کا آشکارا کیا ہے۔وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مست توکلی کے عارفانہ کلام اور قبائلی معاشرہ میں ہوتے ہوئے ان کے انسان دوستانہ افکار اور زندگی کے بارے میں فلسفہ کو سمجھنے کے امکانات بڑھتے جائیں گے۔ اور لوگ ان کے کلام کی اہمیت کو سمجھیں گے۔

میر مٹھا خان مری نے نہ صرف بلوچی ادب کو مست توکلی اور رحمعلی مری کے کلام تحریری صورت دے کر پرمایہ بنایا۔ اور بلوچی زبان ادیبوں کو بلوچی ادب و شاعری کی پرمایگی اور اہمیت سے آگاہ کیا۔ بلکہ انہوں نے

نہایت مستعدی سے بلوچی شاعری کے گنجہائے گراں مایہ کو اردو ادب میں منتقل کرنے کا اہم اور ضروری فریضہ اپنے ذمہ لیا۔ اور اس کا آغاز بلوچی ادب کی بے بہا کتاب "درچین" کے اردو ترجمہ سے کیا۔ "درچین" بلوچی کے ایک اور نامور اور قادرالکلام شاعر جام درک کے بلوچی اشعار کا مجموعہ ہے۔ جسے بلوچی کے ایک مقتدر سکالر بشیر احمد بلوچ نے یکجا کیا اور سب سے پہلے ادبی دنیا کو جام درک سے شناسا کیا۔ میر مٹھا خان مری نے نہایت ہی خوبصورت اردو نثر میں "درچین" میں یکجا اشعار کا ترجمہ کیا ہے۔ اس اہم کام کے بعد میر مٹھا خان مری نے مست توکلی کی فکر اور فلسفۂ حیات کو اور اس کے حالاتِ زندگی اور معاشرے کے مشکلات کو اردو قارئین اور اردو ہی کے توسط سے پاکستان اور دیگر ممالک کے ادیبوں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اپنی وفات سے چند ماہ پہلے انہوں نے اس کام کو مکمل کیا اور زیر نظر کتاب "سمو بیلی مست" کے مسودہ کو بلوچی اکیڈیمی کے حوالہ کیا تھا نہ جانے ان کے ذہن میں اس نوعیت کے اور کون کون سے علمی منصوبے تھے مگر موت نے ان منصوبوں کو عملی جامہ پہننے نہیں دیا۔

میر مٹھا خان نے علامہ اقبال پر بھی اہم کام کا آغاز کیا تھا انہوں نے "درگال" کے نام سے بلوچی میں علامہ اقبال پر نہایت ہی خوبصورت کتاب لکھی تھی۔ یہ کتاب بلوچی میں علامہ اقبال کی زندگی شاعری اور فلسفہ پر اب تک بہترین کتاب ہے۔

میر مٹھا خان مری نے بلوچی لغت سازی پر بھی نہایت اہم کام کیا ہے۔ بلوچی اور اردو لغت انہوں نے صورت خان مری کی

رفاقت میں ترتیب دی تھی جسے بلوچی اکیڈیمی نے شائع کیا - اور اس وقت آؤٹ آف پرنٹ ہے اور اس کی دوسری اشاعت کا انتظار ہے
اردو بلوچی لغت کی ترتیب میں عطا شاد نے میر مٹھا خان کا ساتھ دیا اور اردو بورڈ نے اسے شائع کیا -

بلوچی عشقیہ داستانوں پر عرصہ ہوا میر مٹھا خان مری نے کام شروع کیا تھا - اور تھوڑا سا کام باقی تھا - مجھے میر صاحب نے تعاون کے لئے کہا تھا - مگر میری ہمت نہ ہوئی - نہ جانے اس مسودے کا کیا بنا - اگر بلوچی اکیڈیمی نے اس مسودے کو اور میر صاحب کی دیگر غیر مطبوعہ تحریروں کو حاصل کر کے شائع کرنے کا اہتمام کیا تو بڑی اچھی بات ہوگی -

"سموبیلی مست" کا مسودہ میں نے پڑھا ہے - میرے خیال میں مست توکلی اور اس کے کلام کے بارے میں اردو میں اس وقت تک یہ بہترین کتاب ہے

عبداللہ جان جمالدینی
بلوچستان یونیورسٹی - کوئٹہ
۹/اپریل ۱۹۹۰ء

سموبیلی مست

رستراني پہاڑ کا طویل سلسلہ دور دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ پہاڑ کے دامن میں تنگ اور دشوار گزار راستے دور تک نظر آتے۔ سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ بلند و بالا پہاڑوں پر ایک پر شکوہ سکوت کا عالم طاری تھا۔ اچانک دور سے چند سوار سفید براق لباس میں ملبوس، بگولے کی طرح گرد اڑاتے ہوئے آتے دکھائی دئے۔ تیز رفتار گھوڑوں کے ٹاپوں کی صدائیں وادی کی خاموش فضا میں ایک عجیب صدائے بازگشت پیدا کر رہی تھیں۔ یہ سوار مری قبیلہ کے نوجوان تھے۔ جو بندوق تلوار ڈھال اور خنجر سے لیس تھے۔ سواروں کا یہ دستہ ایک قبائلی مہم سر کرنے نکلا تھا اور نہایت تیزی سے منزل کی جانب بڑھا چلا جا رہا تھا۔

ساون کی گھٹاؤں نے وادی کو اپنی آغوش میں لے رکھا تھا بارش کے آثار بڑھتے جا رہے تھے۔ اس لئے مسافروں کا قافلہ جلد از جلد کسی محفوظ مقام پر پہنچنا چاہتا تھا۔ تاکہ ان کا اسلحہ بھیگنے سے محفوظ رہے۔ اتفاق سے انہیں تھوڑی ہی دور پہاڑ کے دامن میں ایک گدان نظر آیا۔ چنانچہ مسافر تیزی سے اس گدان کی جانب بڑھے اور تھوڑی ہی دیر میں وہاں پہنچ گئے۔ جب وہ گدان کے قریب پہنچے تو صاحب خانہ نے بلوچی دستور کے مطابق ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور انہیں مہمان

کے لئے، مخصوص گدان میں ٹھہرایا۔

آدھی رات کے بعد تند و تیز طوفانی ہوائیں چلنے لگیں اور گرج چمک کے ساتھ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ طوفان باد و باراں نے میزبان کے خیمے کی طنابیں ڈھیلی کر دیں اور قریب تھا کہ خیمے کا پیش دار[1] گر جائے کہ اتنے میں گھر کی مالکہ سمّو خواب ناز سے بیدار ہوئی اور خیمے کے طنابوں کو کھینچنے کے جدوجہد میں مصروف ہو گئی۔ طوفانی ہواؤں کے بے رحم تھپیڑوں سے اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔ اس کی چادر سر سے ڈھلک گئی تھی اس کی عنبریں زلفیں شانوں پر پریشان تھیں۔ اسی اثناء میں بجلی کا کوندا لپکا اور اچانک مست کی نگاہ سمو پر پڑ گئی۔ سمو کا نظارۂ جمال اس کے خرمن ہوش و حواس پر برق بن کر گرا، کیونکہ توکلی مست کا ظرف ہی اس برق تپاں کا تحمل ہو سکتا تھا۔

گرنی تھی ہم پہ برق بجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

توکلی مست ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ملکوتی حسن کا دیوانہ بن گیا۔

توکلی مست نے باقی تمام رات اس امید پر جاگ کر گذار دی کہ شاید پھر بجلی چمکے اور وہ ایک بار پھر سمو کے حسن جہانسوز کا جلوہ دیکھ سکے۔ لیکن اس کی یہ حسرت پوری نہ ہو سکی۔ سمو طوفان باد و باراں کا شدید مقابلہ کرنے کے بعد بے حد تھک چکی تھی۔ بارش کا زور

---

[1] خیمے کے سامنے کی لکڑی جس کے سہارے گدان کھڑا رہتا ہے۔

تھمنے کے بعد وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز، خواب شیریں کے مزے لے رہی تھی۔

علی الصبح جب توکلی مست کے ساتھی خواب سے بیدار ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ توکلی مست کی حالت دگرگوں ہے بے خوابی کے باعث اس کی آنکھیں لال تھیں وہ بے حد افسردہ خاطر، مضمحل تھا۔اس کی حرکات وسکنات اور باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ ہوش وحواس کھو چکا ہے۔اس کی حالت دیکھ کر اس کے ساتھی بے حد پریشان ہوئے انہوں نے توکلی مست کو سفر جاری رکھنے پر آمادہ کرنا چاہا لیکن توکلی مست وہاں سے آگے جانے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

پایم بہ پیش از سر ایں کو نمی رود
یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست

توکلی مست نے خود اس واقعہ کے تمام جزئیات کو تفصیل سے نظم کیا ہے۔

بیثغنت ربّ رو کھار سوبانی
جیہزاں گورتہ کوہ درتبانی
زرتہ گرنداں دنود پلش ناں
مارے پہ ادوآں ءُ چپاں ناں
بوکے سہرابی ہواں بانءُ
برداں ہموذا کہ تیمراں جیری
ہتیار ہوندی بنت مسنی میری
کفو کھراں کاچ دگمراں ریسری،

وا چھڑاں گُل ءَ بانزری ست
زیث بچیڑدار گوات گراں گیتہ
شار بھڑتہ گوات تڑپاں شوخیناں
ڈوبرءَ گل ءَ روتہ بروخیناں
ویثہ مَیں دیر گنداں کھلوخیناں
تلگساں پہم گیتہ رلوخیناں
دیم چھو ڈیود آں بلوخیناں
زلف چھو سیاہ ماراں تھلوخیناں
بڑیں چھو آہواں تر بوخیناں
زدریں چھو کنڈھی آں بوخیناں
گیتغاں گوات چھنڈاں گنوخیناں
لانٹ کھاں چھاں پر خماریناں
عاشقاں شوشی بیقراریناں
وہش ایں چھو لیموآں بہشت بُیغاں
امب و انگوراں نکتّان بُیغاں
دل منی مجناں بی ہواں روشی
بڑو بیزاراں مست و مدہوشی
جلتئ شف پہ نندغ و آزار
گوں جیالاں من روش کھتہ یکار

یعنی قدرت نے ایسے اسباب پیدا کردیے
رکہ دربھانی پہاڑ پر گھٹائیں برستی رہیں

بادل گرجے اور گھٹائیں برسیں
ہم پناہ گاہوں میں چھپتے چھپاتے آگے بڑھے
میدان میں ایک گھر دکھائی دیا
چلو وہاں چلیں جہاں حسینوں کے خیمے ہیں
(تاکہ) ہمارے قیمتی ہتھیار (بارش سے) محفوظ رہیں
رقصاں بادل گرج کر خوشی کے شادیانے بجا رہے ہیں۔
تند و تیز ہواں نے خیمے کی طنابیں ڈھیلی کر دیں
سامنے کی لکڑی تیز ہواؤں سے جھولنے لگی
طوفانی ہوائیں اس کا چادر لے اڑیں
میری دور رس نگاہوں نے اسے دیکھ لیا
دل موہ لینے والے اس کے سینے کے ابھار
میری دور رس نگاہوں نے دیکھ لئے
رمز آشنا نگاہیں چار ہوئیں
اس کا رخ زیبا چراغوں کی مانند فروزاں تھا
زلفیں سانپ کی طرح لہرا رہی تھیں
وہ آہوئے صحرا کی طرح رمیدہ خو ہے
تیغ برآں کی مانند تند و تیز
مجھ پر جنونی کیفیت کا لرزہ طاری ہوا
اس کی خمار آنکھیں شرر بار ہیں۔
بیقرار عاشقوں کا دل جلانے کے لئے
وہ بہشت کے نیبو کی طرح خوش ذائقہ ہے۔

مکران کے آم اور انگوروں کی طرح
اسی دن سے میرا دل دیوانہ ہو گیا ہے
میں دنیا سے بیگانہ اور مست و مدہوش ہو گیا ہوں
سرما کی طویل رات میں نے اذیت اور کرب کے عالم میں
پریشان کن خیالات میں جاگ کر کاٹ لی

بلوچی زبان کا مجذوب شاعر توکلی مست بلوچوں کے نامور قبیلہ مری کے چشم و چراغ تھے۔ مری قبیلہ نے صرف جنگ آزما سپاہی ہی پیدا نہیں کئے۔ بلکہ بڑے بڑے شاعر اور دانشوروں کو بھی جنم دیا جن میں گدو مراسی، عارف یا آرو، بہار رحمعلی مری، ملا عمر، جمعہ کھلوانی۔ میر محمد خان گزینی، میر ہزار خان، میر ظریف اور جمال خان وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ توکلی مست اس کاروان ادب و دانش کے میر کاروان تھے۔

توکلی مست ۱۸۳۱ء میں مری علاقہ کے مرکزی شہر کاہان کے شمال مغربی جانب مانڑک بند نامی ایک گمنام سی بستی میں پیدا ہوئے۔ مست کے والد لال خان ایک معروف قبائلی شخصیت تھے اور ایک مہمان نواز بلوچ کی حیثیت سے اچھی شہرت کے مالک تھے۔ آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال بیشتر کاہان جیسے دور افتادہ مقام پر تعلیم وغیرہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس لئے توکلی مست کے والد نے بچپن سے ہی اسے بھیڑ بکریاں چرانے کا کام سپرد کر دیا۔

سمو کے دام محبت میں اسیر ہونے کے بعد توکلی مست، ہوش و خرد کھو بیٹھا اس کے جنون کا یہ عالم تھا کہ اپنے اشعار

میں برملا سمو کا نام لینے لگا۔ یوں تو ہر معاشرہ میں کسی عصمت مآب خاتون سے برملا اظہار عشق کی جسارت ایک ناقابل معافی جرم ہے لیکن بلوچ معاشرہ میں اس نوع کا دعویٰ ایک سنگین جرم تھا۔ جس کی سزا موت سے کم نہیں۔ چنانچہ سمو کے خاوند اور اس کے ورثا نے توکلی کے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔

مست کے دوست احباب نے اسے اس سنگین صورت حال کا احساس دلایا کہ اس کی غیر ذمہ دارانہ باتوں اور مجنونانہ حرکات کے باعث، سمو کی زندگی کو بھی شدید خطرہ لاحق ہے۔ تب کہیں جاکر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا چنانچہ اپنے اشعار میں اس صورت حال کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

بانگہے صحوی میر کرم خان ءَ دانہی رواں
کھار کھینتوں گوں گنوخ شتیں حلباں
کھار ءَ ثا ہینئے واں ہتوءَ دانہی آختغاں
ارغ نہ ثابینئے توں ایں کہ کھلاں الکباں

میں سحر گاہ میر کرم خان کے پاس فریاد لے کر جاوں گا
دکھ، میں نے اپنی احمقانہ حرکتوں سے معاملات کو بگاڑ دیا ہے
میں فریادی بن کر آیا ہوں۔ اگر مداوا ہو سکے تو کرد
ورنہ میں عہد کرتا ہوں کہ میں وطن چھوڑ کر چلا جاوں گا

میر کرم خان مری قبیلہ کے بجارانی فرقہ کے مقدم اور سربراہ تھے۔ انہوں نے قبیلہ کے معتبرین کا جرگہ طلب کر کے صورت حالات پر بحث و تمحیص کی۔ یہ قضیہ اپنی نوعیت کا پہلا اور عجیب واقعہ

تھا۔ بالآخر جرگہ نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ توکلی مست ایک خدا رسیدہ بزرگ اور درویش صفت مجذوب آدمی ہے۔ اس کی نیت میں کسی قسم کا فتور نہیں۔ ایک مجذوب کی حیثیت سے اس پر قبائلی رسوم و قیود کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ اور یوں مست قبائلی روایات کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھنے سے محفوظ رہا۔ لیکن اس کے باوجود سمو کے ورثا سے گدا نامی ایک شخص نے توکلی مست کو اس وقت جبکہ وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ قتل کرنے کی نیت سے دھکا دے دیا۔ لیکن خدا کی شان دیکھئے کہ توکلی مست پہاڑ کی چوٹی سے اس طرح زمین پر آن رہا۔ جیسے کوئی پرندہ پہاڑ کی چوٹی سے اڑ کر زمین پر آبیٹھے۔ مست نے خود بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا۔ مست نے انتہائی سادگی سے گدا کو بھی اپنی طرح ہوش و خرد سے عاری خیال کیا۔ کہتے ہیں۔

یک گورے باخ ویک گورے گدا
ما ہڑدوسر جوانی ءَنہ اڈں سُدّھا

(یعنی ایک جانب سے میں آیا اور دوسری جانب سے گدا (اور باہم ٹکرا گئے)

اصل میں ہم دونوں پوری طرح سے ہوشمند نہیں "

سمو کی محبت میں مبتلا ہونے کے بعد توکلی مست عجیب و غریب مجنونانہ حرکات اور بے سروپا باتیں کرنے لگا۔ وہ کسی کے ہاں مہمان ٹھہرتا اور اس کے لئے کھانا لایا جاتا تو میزبان سے کہتے " سمو بیلی کا کھانا کہاں ہے"؟

سمو کے لئے کھانا نہیں لائے تو ہم بھی کھانا نہیں کھاتے۔ چنانچہ سمو کے لئے الگ کھانا لایا جاتا۔ مست چونکہ ایک متقی اور عبادت گذار شخص تھے۔ اس لئے بسا اوقات لوگ ان سے دعا کا طالب ہوتے تو مست جواب دیا کرتے کہ سمو کی مرضی معلوم کرنے کے بعد دیکھیں گے۔ غرضیکہ مست کے ہر بات کی ابتداء سمو سے شروع ہو کر سمو پر ختم ہو جایا کرتی تھی۔ تو کلی مست کی مجنونانہ حرکات و سکنات دیکھ کر اسے "مست" یا "متال" یا "سموبیلی مست" کے نام سے پکارنا شروع کر دیا چنانچہ اسے خود بھی "مست" کا نام جو اس کے حسب حال تھا پسند آ گیا اور انہوں نے اس نام کو تخلص کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔

سُمّو کی جدائی کے غموں نے مست کے مزاج میں سیمابی کیفیت بھر دی تھی۔ تلاش اور جستجو کی ایک عجیب و غریب تڑپ پیدا کر دی تھی۔ وہ صحراؤں بنوں اور جنگلوں میں مارا مارا پھرتا تھا۔ اسے سمو کی تلاش تھی۔ یا اپنے گم شدہ ہوش و حواس کی؟ بہر حال وہ ساری زندگی "جستجوے نایافت" میں سرگرم سفر رہا:

من بہ تلاش تو روم یا بہ تلاش خود روم
عقل و دل و نظر ہمہ گمشدگان کوئے تو

یوں تو آغاز کار ہی سے، صحرا نوردی اور دشت پیمائی، بقدر وسعت ذوق عشاق کا مقدر رہا ہے اور تمام رہ نوردان شوق صحرائے جنوں کی خاک چھانتے رہے ہیں۔ لیکن اس قافلے کا سالار کارواں مجنوں ہی تھے۔ جیسے کہ مرزا غالب نے کہا ہے۔

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
صحرا مگر بہ تنگی چشم حسود تھا

قیس کے بعد صحراؤں نے البتہ اپنی وسعتوں کو، توکلی مست کے قدموں کے لئے فرش راہ بنا دیا اور وہ سمو کی تلاش میں دشت و بیاباں کی پہنائیاں عبور کرتا رہا۔ اور دُور دراز کے علاقوں کی خاک چھانتا رہا۔

یوں تو ہمارے اکثر و بیشتر شعراء کا کلام، صحرا نوردیوں اور خار مغیلاں کی حکایات سے لبریز ہے۔ لیکن ان کے دشت پیمائی کی داستان۔

ع زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

کے مصداق یکسر تصوراتی اور خیالی ہے۔ لیکن صحرائے جنوں میں مست کی آبلہ پائی کا المیہ یکسر حقیقی اور واقعاتی ہے۔

پاس قدم بہ دشت جنوں حق سعی ماست
عمرے بدرش آبلہ ہائے راہ رفتہ ایم

مست سکون کی تلاش میں کبھی رستانی پہاڑ کے دامن میں جا پہنچتا تو کبھی تھنڈری کی بلند و بالا چوٹیاں سر کر لیتا۔ کبھی جاندران پہاڑ کا رخ کرتا تو کبھی ڈونگان کے گھنے جنگلات میں حیران و سرگردان پھرا کرتا۔ کبھی سندھ کے صحرا اور جنگلوں کی خاک چھانتا تو کبھی ڈیرہ غازیخان کے ریگستانوں تک جا پہنچتا۔ فرماتے ہیں۔

تھئی زہیراں مں سندھ ءُ چو بیاں گار گھناں
مں شنو سندھ ءَ اشتر دجھنگاں گوستناں

رپۂ گراں ماری پہ پواداں دیم ءُکھتاں
تھئی کا غذیں رکھاں چھو لواری تا داتغاں
کشکیں دتھاناں شورغ دپھڑزی پکناں
رسٹیں چھماں پہ پو اداں رینتگاں
کرگزی بالاں مں شتو سندھ ءُ گوستغاں

"تیری فراق کے غموں کو میں سندھ کے صحراؤں کی وسعتوں میں کھو دینا چاہتا ہوں
میں نے سندھ کے غبار آلود جنگلوں کو عبور کیا

میں سانپ کی طرح پیچ وتاب کھا کر دور دراز کے علاقوں کا رُخ کرتا ہوں۔
تیرے کاغذی ہونٹوں نے مجھے لُو کی گرم ہوا کی طرح جلا ڈالا
تیرے کوڑی کی طرح سفید دانتوں نے مجھ میں چنگاریاں بھر دی ہیں۔
تیری خمار آلود آنکھوں نے، دور کے دیشوں میں در بدر پھرایا
کرگسوں کے اڑان کی طرح میں سندھ سے بھی پار چلا گیا"
لیکن اس کے باوجود تسکین کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی

ع: تسکین مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں

مست کے دل میں خدا رسیدہ بزرگوں اور اولیاء اللہ سے بے پناہ محبت تھی۔ اس کا دل بے تاب اسے مختلف مزاروں کی زیارت کے لئے لے چلا۔ بلوچستان میں اس نے پیر سہری، نانا صاحب،

بخاری اور دوسرے درباروں پر سلامی دی ۔ بلوچستان سے باہر بھی متعدد اولیاؤں کے روضوں کی زیارت سے روحانی فیض حاصل کیا۔ لال شہباز قلندر، سخی سرور، شمس تبریز، پیر بہاؤالحق پیر محبوب شاہ کے روضوں پر متعدد بار حاضری دینے کے بعد حج بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ توکلی مست نے خود بھی اپنے اشعار میں ان مزارات سے مشرف ہونے کی داستان بڑے دلفریب انداز میں بیان کی ہے فرماتے ہیں ۔

پیر محبوب شاہ روضوا مہماں بیثغاں
پیر ءَ مہماناں داث مناں شیر و شکلاں
من نہ بھلاں کہ عاشقاں رہ پیش داشتغاں
ڈرک ءُ کرمو او مرید ءَ بجینتغاں
پیراں سہری ءُ داثغاں شہباز ءُ لقا
پیراں ملتان ءُ کل مذتاں گوں بھاول ءُ
شمس تبریزے واژہ ایں کھیت داہرا

یعنی " میں پیر محبوب شاہ کے روضے پر مہمان ٹھہرا
میں پیر کا مہمان ہوں وہ مجھے دودھ اور شکر عطا کرے گا
میں راہِ راست سے بھٹک نہیں سکتا کہ مالکان کامل نے میری رہنمائی کی ۔
کرمو کے بیٹے ڈرک اور شہ مرید نے مجھے گنج گرانمایہ بخشا
اولیاؤں میں سے پیر سُہری اور لعل شہباز نے مجھے کرامت بخشی ہے ۔
ملتان کے تمام اولیار غوث بہاؤالحق ہمارے پشت پناہ

ہیں۔
شمس تبریز ہمارا وارث ہے ۔ اور وہ ہماری مدد کو آئے گا۔"
مست سخی سرور کے دربار میں بھی فراق کے دکھوں کی فریاد لیکر جاتا ہے
اور حصول مدعا کیلئے یوں دست بدعا ہوتا ہے ۔

تئی زہیرء سلاں سرورء دربارء رواں
سرورء دربارء کمینہ نیستیں عاشقاں
سرورء دربارء ضرور واتیں رواں
داںہہ منی الیشیں سمبراں ہول پوشاں کتاں
مں ہذیں گرداں رچھو، جیغ لی جنگانی کواں
چاڑ منی جیغ ء چھو چاڑتے بالاچء کواں

یعنی" سمو کے فراق کے غم چین سے نہیں رہنے دیتے میں سخی سرور
کے دربار میں فریاد لے کر جاؤں گا۔
سخی سرور کے دربار میں عشاق کے لئے کوئی ممانعت نہیں
میں وہاں ضرور فریاد لے کر جاؤں گا۔
میری عرضداشت قبول ہو جائے تو میں زرہ بکتر پہن کر جاؤں
میں اس وقت واپس لوٹوں گا جب میری کمان کا چلہ چڑھ جائے گا
(دعا قبول ہوگی) میری کمان کا چلہ بھی اسی طرح چڑھا دے جیسے
بالاچ کی کمان کا۔"

آخری دو مصرعوں میں بلوچی زبان کے نامور شاعر بالاچ کے متعلق
اشارہ ہے ۔ بالاچ کے متعلق روایت ہے کہ وہ ایک طویل عرصہ
تک سخی سرور کے دربار میں مجاور کی حیثیت سے خدمت کرتا رہا کیونکہ

اس نے عہد کر رکھا تھا کہ وہ اس وقت واپس نہیں لوٹے گا۔ جب تک اسے اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے بشارت نہیں ملتی۔ کہتے ہیں کہ بالآخر کو عالم خواب میں بشارت ملی کہ اس کی التجا پوری ہوئی اور وہ وہاں سے واپس لوٹا اور اپنے بھائی کے قاتل بیورغ بلیدی کے قبیلہ کے خلاف برسرپیکار رہا۔ حتیٰ کہ ان ظالموں سے علاقہ خالی کر لیا۔

مست توکلی کا اشارہ اس واقعہ کی جانب تھا۔ مست کی تمنا تو نہایت مختصر اور محدود تھی وہ تو صرف سمو کے عشق کی تکمیل چاہتا تھا اور بس۔ مست سمو کی عشق مجازی کے پردے میں دراصل عشق حقیقی کے منزل کا رہرو تھا۔ اور بالآخر اس منزل میں اس نے مقامات بلند حاصل کر لئے۔

مست کے دل میں دوسرے اولیاء کے علاوہ شہباز قلندر کے لئے بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔ وہ قلندر کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول نذر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

نیں کہ دان سیوان ءُ شان اوڈا
اوڈا گور تبو ءَ امام ئیغا
بیرق و شوشکاں فقیر ئیغاں
سنگت ات یاراں ہر چپار یناں
یار کھڑ بنت تڑا جاگہ ولیناں
شر خمار بنت گوں رنگغیں عیناں
سیبتی ءُ گوں داغغیں دیناں
دسے ہواں جھپی آں کرسن ءُ نیناں

یعنی "جب میں وہاں سیون پہنچا
امام کے روضے کے پاس
اس کے جھنڈوں اور گھنٹوں کی زیارت کی
چاروں یاروں کا ہم اشتراک ہے

بالآخر مست توکلی نے حج بیت اللہ کا عزم کیا تاکہ اطمینان قلب اور نجات اُخروی کا سامان ہو سکے۔ جیسے کہ فرماتے ہیں۔

مں گوں درویشاں صد برء سندھ ءَ سیل کھناں
حج ءَ ہر ہپتیں روضواں زیارت ءَ کھناں

یعنی "میں درویشوں کے ہمراہ سو بار سندھ کا سفر کروں گا
اور حج پر ساتوں روضوں کی زیارت کروں گا"

حج بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد، مست توکلی پر جذب ومستی اور کیف وشعور کا ایک نیا عالم طاری ہو گیا۔ سمو کی محبت کا تنگ دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ اور یہ دائرہ پھیل کر امن پسندی، قوم پرستی اور انسان دوستی میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ مست امن پسندی۔ وطن دوستی اور انسانی محبت کے ابدی نغمے الاپتا رہا۔ رفتہ رفتہ حجابات کے پردے اٹھتے گئے اور مست عشق حقیقی کے بلند مقام تک جا پہنچا۔ اس منزل پر پہنچنے کے بعد سمو محض ایک استعارہ اور علامت بن کر رہ گئی اور استعارہ کے پردے میں وہ اسرار معانی اور عرفان وآگہی کے سرمدی نغمے الاپتا رہا۔

عشق مجازی مست توکلی کے لئے اعلیٰ روحانی مدارج تک

پہنچنے کا زینہ ثابت ہوا۔ اس لئے مست کے عشقیہ شاعری کے تذکرہ کے بغیر یہ داستان نامکمل رہے گا۔

مجنوں کا سراپا مست سمو کا شیدائی تھا۔ اس لئے سمو کے سراپا کا بیان، اس کے ہجر و فراق کا تذکرہ اس کی شاعری کے دلپذیر عنوانات ہیں۔ محبوبہ کے سراپا کا بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

سمو ڈا زین ءَ پلیلاں یکے
سموڈا درشکانی براں یکے
سمویہ شیشہ ءِ شرادانی
سمویہ سردان ءِ تلارانی
سمویہ سہر پھل ءِ انارانی
سمویہ ڈیوائے تہارانی
یا جتڑی بولی ءِ رغامانی

سمو زین کے پیپل کے درختوں سے ایک ہے۔
سمو درختوں کا میوۂ نورس ہے
سمو ایک شیشۂ مئے ناب ہے
سمو سنگلاخ چٹانوں کا ایک ہرن ہے
سمو انار کا گل سرخ ہے
سمو تاریکیوں کا ایک دیا ہے
یا ہواؤں میں اڑنے والا لکا ایسے ہے

آگے چل کر شاعر اپنی محبوبہ کو ایک تراشیدہ لعل سے تشبیہ

دیتا ہے۔ جس کی موزوں اور متناسب تراش خراش میں صانع فطرت نے اپنے کمال فن کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

سمّو میں لالے نیستئی عیوں انگہاں
پرہ جوڑینتہ گھشّے کر کاریگراں
چوٹ گوں تھنشاں کشتغاں وَل، گوں پھرگُغاں
بیگہ ءَ درینی رِ جبھی مس آت بندیں جُرڈاں
چھاڑدہی ماہے آسی نڑاکوہ بارغاں
کھیت پہ آزمان ءَ ہر گُور ءَ ڈیہاں مانگاں

یعنی " میری سمو ایک لعل ہے جس کے اعضائے بدن میں کوئی نقص نہیں

صناع فطرت نے اسے موزوں اور متناسب بنایا
جیسے کاریگر تیشے سے خم و پیچ درست کر دیتے ہیں
میری محبوبہ ہنگام شام کا ایک قوس قزح ہے جو پرنم بادلوں میں جلوہ نگن ہے۔

وہ چودھویں کا چاند ہے جو باسغ پہاڑ سے طلوع ہو کر آسمان پر چھا جاتا ہے۔ اور ہر طرف چاندنی پھیل جاتی ہے۔

مست کی مقبولیت کا تمام راز اس کے زبان کی روانی، شیرینی اور نغمگی میں پنہاں ہے۔ وہ نہایت آسان اور عام فہم زبان میں اپنا مفہوم ایسے دل نشین انداز میں کرتا ہے کہ پڑھنے یا سننے والا، محسوس کرتا ہے کہ

؎ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔

توکلی مست تمثیلات اور تشبیہات کا بادشاہ ہے۔ وہ اپنی تمثیلات کے لئے اپنے ہی ماحول اور اپنی ہی سرزمین سے استفادہ کرتا ہے وہ اپنی محبوبہ کے خرام ناز کو کبھی کبک بیک رفتار کی چال سے تشبیہہ دیتا ہے تو کبھی آہوئے رمیدہ کی چوکڑی سے اور کبھی ناقہ تیز گام کی رفتار سے شاعر اپنی محبوبہ کی آواز کو کبھی سحر کے وقت بجنے والے ستار کے نغموں سے ہم آہنگ قرار دیتا ہے۔ تو کبھی تندرتیز شہنائیوں کی صدا سے تشبیہہ دیتا ہے۔ کبھی محبوبہ کی پر خمار آنکھوں کی نظرہائے تیز تیز کو شعلوں کی لپک قرار دیتا ہے تو کبھی اس کے ہاتھوں کے رنگِ حنا کو چشمک برق سے تشبیہہ دیتا ہے۔

مست ایک غزل مسلسل میں اپنی محبوبہ کی تعریف میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے

دل منی موشہ ءِ کھنت رلی آنی
شاہراں سیگھاریں ترُی آنی
ہیتری چھو واسنگاں ھکلوخیناں
ھُلی چھو سرداناں تہ ہوخیناں
زواریں چھو جہری آں رروخیناں
دَرَتی چھو شہبایاں دھوخیناں
لانٹ ءَ کھاں چماں پرخمارئیناں
عاشقاں یچا گینی قرارشتاں
جلتھ جتی آں شہم گروخیناں
دراہ کھنت مرکھی آں مروخیناں
دست ءَ گیرشتہ بالی آں گرزوخیناں

ہوش ءِ کھنت بیہوشاں گنوخیناں

ترنذءِ کھنت ریلی آں پھر وخیناں

آسکاں رزم ءِ کھنت تتہ پوخیناں

یعنی" میرے دل میں شعر موزوں کرنے کا جذبہ موجزن ہے

شعرا حسینوں کی تعریف میں مصروف ہیں

وہ (غصہ میں ہو تو) اژدہا کی طرح پھنکارتی ہے

آہوئے رمیدہ کی طرح دور جا کر کھڑی ہوتی ہے

ناقہ سیار کی طرح تیز رو ہے۔

بلند بانگ شہنائیوں کی طرح خوش آہنگ ہے

چشمک برق کی مانند چمکتی ہے

اس کے ہاتھوں کی مہندی شعلوں کی طرح دمکتی ہے

قریب المرگ مریضوں کو شفا بخشتی ہے۔

اُڑتے پرندوں کو ہاتھوں سے پکڑ لیتی ہے

بیہوش دیوانوں کو ہوش میں لاتی ہے

آوارہ فقیروں کو مست بنا دیتی ہے۔

رمیدہ خو، آہوؤں کو رام کر لیتی ہے"

مست اپنی محبوبہ کے قامت زیبا کو سرو، صنوبر یا شمشاد سے تشبیہ دینے کی بجائے زین پہاڑ کے ببیل یا جاںدران پہاڑ کے نیبو کے درخت سے تشبیہ دیتا ہے۔ وہ صرف اسی تمثیل پہ بس نہیں کرتا بلکہ درخت کے تمام تعلقات کو محبوبہ کے مختلف اعضاء سے تشبیہ دیتا ہے اس کی زلفوں کو شاخوں سے، اس کے روئے روشن کو درخت کے بیقوی

پتوں سے اور اس کی کمر کو نرم و نازک اور ہموار شاخوں سے تشبیہ دیتا ہے۔ جیسے کہ کہتا ہے۔

دوست ژا جاندراں ءِ پیموں آں یکھے
رستہ مں ہیوریں گری سایاں
لمب ءِ ژنگاں چھونزا مری چیڑاں
پَن ءِ شراں چھو تھنگویں دیماں
دار ہماراں چھو بارغیں سریناں
ترنداں چھو آمنڑ دا تکیں تیغاں

"میری محبوبہ جانداران پہاڑ کے نیبو کے درختوں سے ایک ہے
جو گہرے گھاٹیوں میں بلند چٹانوں کے زیر سایہ پلتی رہی
اس کی زلفیں زامر کے بوٹے کی طرح پھیلی ہوئی ہیں۔
جس کا ہر پتہ سنہرے چہرے کی طرح حسین ہے
اس کی ہر ڈالی باریک کمر کی طرح ہموار ہے
اور صیقل شدہ تلوار کی طرح بُرّاں ہے"

مست کی محبوبہ ایک بادیہ نشین حسینہ ہے۔ جس کے پاس نہ سونے کے زیور ہیں نہ چاندی کے گہنے ہیں۔ اس کے پاس نہ ریشمی کپڑے ہیں اور نہ قیمتی ملبوس۔ وہ ایک سیدھی سادھی دیہقانی عورت ہے جو چشمے سے مشک میں پانی بھر کر لاتی ہے۔ ننگے پاؤں پھرتی ہے۔ اور دور دور سے لکڑیاں جمع کر کے لاتی ہے پہاڑوں اور وادیوں میں بے خوف و خطر آزاد پھرتی ہے اور بھیڑ بکریاں چراتی پھرتی ہے۔ مست اپنی محبوبہ کی پر مشقت معاشرتی

زندگی کا نقشہ یوں پیش کرتا ہے۔

گارناں سمو گارنتی دستی نشاں
سمو گوں مالاں رستراںیء کوہ سرا
مال ءَ چھارینی آف کھاری دیبیٗ ملل
پھاذ شفادی ءَ ڈیلی من مالانی پھنداں
یئیں اَل ماہیں جواں نیث گوں میش وبزاں
عرضیں میئں گوں شوا بدروی پہوشاں جڑاں
ساکھنت سیماں گورے سموئے بوذناں
کھنڈ عنیں سمو گوں وتی جیڈی ہمراں

یعنی۔ سمو کہاں کھو گئی اور اس کے ہاتھوں کی نشانیاں کہاں ہیں
سمو مویشیوں کے گلّے کے ہمراہ رستراںی پہاڑ پر ہے
جہاں وہ مویشیوں کو چراتی اور دور دراز کے مقامات سے پانی بھر لاتی ہے۔
وہ ننگے پیر ریوڑوں کے پیچھے پھرتی رہتی ہے۔
میری چاند جیسی محبوبہ بھیڑ بکریوں کی رکھوالی کے لئے موزوں نہیں
بھادرں کے بدمست بادلوں سے میری گذارش ہے۔
سمو کے جائے قیام پر سایہ کریں
سمو اپنی سہیلیوں کے ساتھ شاداں و خنداں ہے،،
اسی موضوع پر ایک اور اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں

رہ گوزاں سمو رُوث پہ ریا
دوست منی روث ہنگھرے دیا
لہر منی جان ءَ ریز گراں ماری

موڑ ءَ کھنت روح ءِ دل ہزار واری

سمو گھاس کاٹنے کے لئے یہاں سے گذری

میری محبوبہ پہاڑی کی جانب گئی۔

میں سانپ کی طرح پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا ہوں

میرے روح اور دل میں ہزاروں اضطراب موجزن ہوجاتے ہیں

مست ساری زندگی سمو کے وصال سے محروم رہا۔ اس لئے وہ عمر بھر اس کی جدائی کے دلدوز گیت گاتا رہا۔ لیکن اس کے باوجود امید وصل کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ اسے عالم تصور میں بشارت ملتی ہے۔ کہ سمو بہشت کے باغوں میں طوبیٰ کے درخت کے سایہ تلے، آب کوثر کا پیالہ ہاتھ میں لئے

مست کی آمد کا منتظر ہے کہتا ہے۔

پجہورے ملکاں واتغث عرشی پریشتغاں

سمو گوں حوراں نشتہ مں طوبیٰ ءِ بنا

کوثرءِ آفاں نوش کھنت نورءِ پیالواں

پیالوے نورءِ ایریں پہ مست ءِ نیت ءَ

یعنی ملائک اور عرشی فرشتوں نے خبر دی۔

سمو حوروں کے جھرمٹ میں طوبیٰ کے سایہ تلے جلوہ افروز ہے

نور کے پیالوں میں آب کوثر پی رہی ہے۔

نور کا ایک پیالہ مست کو پلانے کی غرض سے جدا رکھا ہوا ہے"

توکلی مست کی شاعری کو بہار سے آنے والے ایک نرم رو

اور شیریں ندی کی طرح ہے۔ جس کی روانی اور نغمگی کانوں میں رس گھول دیتی ہے۔

مست کا اپنا ایک الگ رنگ ہے۔ جداگانہ آہنگ ہے۔ ایک خاص اسلوب اور منفرد انداز بیان ہے۔ توکلی مست کی شاعری قوس قزح کی طرح رنگین اور حسین ہے۔ اس کے کلام میں ہمہ جہتی اور ہمہ رنگی ہے۔ اس کے کلام میں جہاں شہ مرید کا سوز و گداز بیورغ کی بلند آہنگی اور جام درک کا نزاکت تخیل موجود ہے۔ وہاں اس کی شاعری میں منظر نگاری سماجی زندگی کی عکاسی امن پسندی وطن دوستی اور تصوف کا عنصر بھی نمایاں ہے۔

توکلی مست شہ مرید بیورغ رند اور جام درک کی شاعرانہ عظمت اور تخلیقی صلاحیتوں کے بے حد معترف تھے اس لئے اس کے کلام میں ان شعرا کا رنگ جھلکتا ہے۔

بیورغ کے متعلق خیال آرائی کرتے ہوئے کہتا ہے،

برکتی دیوان جاکرءَ میرینءَ کھتاں
شیئر ہوانہاں کہ شنگریں بیورغءَ جھتاں
قول ہوانہاں کہ عومرءَ جام ءَ پاتاں
داد ہوانہاں کہ زر زوال ءُ ننگءَ کھتاں
عشق ہوانہاں کہ لیلو و مجنا یا کھتاں
من دے گوں گپتاراں حدیثاں گوں ءُ دیاں

یعنی "بابرکت دیوان میر جاکر کیا کرتے تھے۔
اشعار وہ تھے جو سخی بیورغ موزوں کیا کرتے تھے۔

قول کی اگر کسی نے پاسداری کی تو وہ جام عومر تھا
جوڈ دستخا وہ تھا جو سخی نوذ بندغ کر گیا
حقیقی عشق وہ تھا جو لیلی اور مجنوں کے درمیان تھا۔

آخر میں توکلی مست اپنے متعلق بھی فخریہ انداز میں کہتے ہیں کہ
میں بھی اپنے اشعار میں احادیث کا تذکرہ شامل کرتا ہوں

جام درک کی رنگینی تخیل کا مست پر اتنا اثر تھا کہ بعض اشعار میں تو ان کے خیالات میں توارد کا گمان گذرتا ہے۔ مثلاً جام درک کہتے ہیں کہ

رستہ درین رءِ مں ڈکنڑءِ یارا
آ گور ءِ استیاں عجیب رنگین
دُرست منی دوست رءِ ھندءِ گوں اَت

یعنی " دکن کی جانب قوس قزح ابھرا
اس کے اردگرد عجیب رنگیں بادل ہیں
اس میں میرے محبوب کے تمام نقوش منعکس ہیں"

توکلی مست بھی قوس قزح کی تمثیل کو اسی انداز میں بیان کرتا ہے۔
دوست منی درین رءِ کوشتی مں سوزیں کھوکراں
چیلکاں جنت چہ ساوڑی آف بندیں جڑاں

یعنی " میرا محبوب نیلے بادلوں میں قوس قزح کی طرح ہے۔
وہ ساون کی گھنگھور گھٹاؤں میں بجلی کے کوندنے کی طرح ہے"

ہجر و فراق کے معاملات کے بیان میں بھی دونوں میں قریبی مماثلت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ جام درک شب فراق کی

داستان بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :

ہجر مناں جھیلی جننت پاساں
چھو کہیرانی ، آرڑ دیں آساں
پہ وتی دوست ءِ حُبّ دا اخلاصاں
بیقراراں من یئم شفی پاساں

" ہجر کے راتوں کی تاریکی میں مجھ پر شبخون ڈالتے ہیں
اور کہیر کے تیز آنچ کی طرح جلا ڈالتے ہیں
محبوب کے حب و اخلاص کی امید میں
میں راتوں کو بیقرار ہو اٹھتا ہوں "

اسی خیال کو مست نے نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں یوں باندھا ہے۔

چھلئے شف پہ مندغ و آزار
گوں خیالاں من روش کھتہ بیکار

یعنی " میں نے سرما کی طویل رات ، جاگ کر
افکار کے ہجوم اور کرب میں گزار دی "

جام درک کوئے یار سے آنے والے نسیم سحری کو خوش آمدید کہتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جی سمیں بے پھول ءَ بہشتی ءَ
اَز لطیفانی بلوا کھائے
تھہ منی جان ءَ شر سیب آئے

" خوشا اے نسیم سحر تو بن پوچھے جنت کی مکین ہے۔

کیونکہ تو کوئے یار کی جانب سے آئی ہے۔
تو نے میرے تن بدن کو پر سکون بنا دیا "

توکلی مست فرماتے ہیں۔

بانگہے سرگوات کھے اژ ءَ ہموئیں شمال
شرءَ نایئت کہ گونتی سمّو ءِ سلام

یعنی "نسیم سحر عنبر آگیں وادیوں سے ہو کر آتی ہے۔
وہ اٹھلا کر چلتی ہے کیونکہ وہ سمو کے سلام ہمراہ لائی ہے"

اسی خیال کو لسان الغیب، حافظ شیرازی نے بھی نہایت لطیف انداز میں بیان کیا ہے کہ :-

صبا وقت سحر بوئے ز کوئے یار می آرد
دل شوریدۂ ما را دگر در کار می آرد

محبوب کے سراپا کے بیان میں بھی جام درک اور مست کا انداز فکر تقریباً یکساں ہے۔ جام درک اپنی محبوبہ کے قد رعنا کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے

جی دوست منی مہ گونغیں۔ سرحدءَ بانک بموئیں
سنگیں دسیہ مارچوٹیں، وشں قدو آہوگرڈنیں

یعنی " اے میری مہ لقا محبوبہ میں تجھ پر نثار۔ اے سرحد کی عظیم ملکہ۔ سنجیدہ طبع اور ناگن جیسی زلفوں والی (جو) خوش قامت اور اور آہو گردن ہے۔ مست اپنی محبوبہ کا سراپا بیان کرتے ہوئے کہتا ہے :-

دیم چھوڑیو و آں بلوخیناں
زلفاں چھو سیہ مارا تھلوخیناں
بزّیں پہ چھو آہو آں ترہوخیناں
زوریں چھو کنڈھی آں بہوخیناں

یعنی" اس کا چہرہ جلتے ہوئے مشعلوں کی طرح ہے
زلفیں کالے ناگ کی طرح رواں ہیں
وہ آہوئے بیاباں کی طرح رمیدہ خو ہے
تیغ آبدار کی طرح تند و تیز"

شہ مرید اور توکلی مست دونوں ہی کشتہ ستم ہائے روزگار تھے اس لئے اِن دونوں کے اسلوب اور لب و لہجہ میں قریبی مماثلت ہے۔ شہ مرید حانی کا شیدائی تھا۔ اس کی تمام تر شاعری شکایت غم ہجراں اور حکایت قدوگیسو کا مرقع ہے۔ یہی حال مست کا ہے تمام عمر ایسے ذہنی کرب اور عدم آسودگی میں گذرا۔ جس سے شہ مُرید کو سابقہ پڑا تھا۔ چنانچہ توکلی نے شہ مرید کے داستان ہجر کے اس سلسلے کا از سر نو آغاز کیا۔ جہاں سے شہ مرید نے اسے چھوڑا تھا۔

دگر از سر گرفتم قصہ زلف پریشاں را

شہ مرید فرماتے ہیں :

حانی تھرا شاہ ءِ سریں۔ از ما سری ءَ گھنڈ مکن
مارا گوں نیم چمّ ءِ مہ گند۔ دل کوتلی جیجی ءِ نہ ایں
مہریہ بہا گپتہ نیئث۔

یعنی " حانی تجھے شاہ کی قسم ۔ ہمیں دیکھ کر گھونگٹ نہ کاڑھا کرو

ہمیں ترچھی نظروں سے نہ دیکھو۔ دل قابو میں رکھنے کی چیز نہیں
محبت قیمتاً خریدی نہیں جا سکتی ۔

لیکن اس کے برعکس مست جنوں کے ایسے مقام پر ہے۔ جہاں وہ محبوبہ کی محبت سے بھی بے پروا اور بے نیاز ہے۔ وہ سمو کے سلام و پیام کے جواب میں نہایت بے اعتنائی سے کہتا ہے ۔

من نیایاں اودوست منی چیپیاماں مناں
اڑ بھتی ئے بے سیتیں سلاماں ویرءُ گہاں
باز بھتءُ لڈانی پچھنداگیا ماں پئیغاں
پاداں نال بستہ ڈھمارانی جزغاں
چم منی سُہراں پہ شفانی گوذوہا دہاں

یعنی میرے محبوب میں نہیں آؤں گا، میرے لئے اب پیغام نہ بھیجا کرو
تہارے بے مقصد سلام و پیام سے میں دور ہی اچھا
میں مدتوں تیری محمل کے پیچھے پیدل پھرتا رہا
پا پیادہ سفر کرنے سے میرے پیروں میں گٹے پڑ گئے
رت جگوں کے باعث میری آنکھیں لال ہو گئی ہیں"

تغزل : غزل شاعری کی وہ صنف ہے۔ جسے قبول عام حاصل ہے۔ بلکہ بعض نقادوں کے قول کے مطابق ادب کی آبرو ہے جہاں تک بلوچی شاعری کا تعلق ہے۔ اس کے اعتبار سے رومانی نظم جسے "شیئر" کہا جاتا ہے، غزل کے مفہوم کے تحت آتا ہے۔

اردو اور فارسی کے غزل گو شعراء نے اس صنف کو غیر معمولی وسعت

دی۔ شعراء نے غزل میں عشقیہ خیالات کے ماسوا۔ صوفیانہ ،فلسفیانہ اور رندانہ خیالات کا بھی نہایت لطیف اور بلیغ انداز میں اظہار کیا ہے نزاکت تخیل، بلاغت اظہار اور معاملہ بندی کے اعتبار سے اردو اور فارسی غزل غیر معمولی محاسن اور خوبیوں کا حامل ہے لیکن نقادوں نے غزل کی خوبیوں کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اس کی خامیوں اور نقائص کی بھی نشاندہی کی ہے۔ غزل کے متعلق علامہ شبلی نعمانی شعرالعجم میں رقمطراز ہیں کہ "غزل کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ عشق و محبت ،کسی معاملہ یا واردات کا مسلسل بیان نہیں ہوتا۔ ہر شعر الگ ہوتا ہے اور اس میں منفرد خیال یا واقعہ ادا کیا جاتا ہے۔ عرب اور یورپین زبانوں میں غزل اکثر مسلسل ہوتی ہے۔ جس میں محبوب کا مفصل سراپا ، یا وصل و ہجر کی داستان یا کوئی دلچسپ کری تفصیلی واقعہ بیان کرتے ہیں۔

جہاں تک بلوچی عشقیہ شاعری کا تعلق ہے اس میں متاخرین کے ہاں ایسی نظمیں بھی ہیں۔ جن کے ہر شعر میں منفرد یا جداگانہ خیال ادا کیا جاتا ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر نظموں میں عشقیہ معاملات اور واردات کا مسلسل بیان کیا جاتا ہے۔ ایسی نظمیں غزل مسلسل کے ذیل میں آتی ہیں

بلوچی شاعری میں غزل مسلسل کی ابتداء پندرھویں صدی کے ربع آخر میں ہوئی۔ اس طریق اظہار کا آغاز بلوچی زبان کے عظیم شاعر شہ مرید نے کیا اور اس کے بعد بیورغ، رند، جام درک اور دوسرے شعراء نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ انیسویں صدی میں باقی شعرا کے علاوہ ملا فاضل اور توکلی مست نے اس صنف کو پروان چڑھایا۔

عشاق آغاز کار ہی سے دل شوریدہ کے ہاتھوں نالاں ہے

اور علاج دردِ دل کے لئے فرار کی راہیں تلاش کرتے رہے اور تسکین خاطر کے لئے بنوں، اور صحراؤں میں دیوانوں کی طرح سرگرداں اور پریشان پھرتے رہے لیکن وہاں بھی سرِ شوریدہ: وبالِ دوش ہی رہا۔

؎ صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

ایک جانب اگر دلِ دیوانہ کی شوریدگی کا یہ حال ہے کہ وہ ہر حال میں تسکین کا طالب ہے۔ تو دوسری جانب، حسن بے پروا عاشق کے، حال زار سے یکسر مستغنی ہے۔ توکلی مست دلِ زار کی نادانیوں اور حسن بے پرواہ کی کج ادائیوں کے تضاد کو یوں ابھارتا ہے اور یہ تمام تہ نظم غزل مسلسل کے ذیل میں آتی ہے۔

دل کنو خیناں کھاری ناذانی انگلاں
انگل ءَ کھنت و تام ءَ گیژ درشک ءِ زامراں
گرّ ءَ کھنت پچھی بیار ہواں درشک سماں
ظالم و زوراخ بیتہ ترا میٹھ و منتاں
بیا اور بیلنج کرمں گوں لے ڈایاں چھو کھناں
ریز گراں ماری یہ پراداں دیم ءَ دیاں
تھئی کاغذیں رکھاں چھو لوارئ تا دا تتاں،
ریٹوئیں چھاں پہ پراواں رلیتغاں
حوال منی او شیش ایں دل ءَ چک ءِ مستغاں
نیں منی تمتئی ایں دل ءِ حالاں سئ کھنے
نیں کھنے پھول ءَ نیں سلاے دیم ءَ دئے
زہر نیں ڈکاں مے زہیراں نوخ ءِ کھنے

کاغذے ششتے نیں وتی راستیں قصوے

یعنی " یہ دل دیوانہ ہے نادانوں کی طرح ضد کرتا ہے۔
اس زامر قامت کا نام لے کر بے جا اصرار کرتا ہے
لاڈلے بیٹے کی طرح ضد کرتا ہے کہ سمو کو لیکر آؤ
یہ (دل) ظالم اور زور آور بن گیا ہے۔ اس پر منت و زاری کا اثر نہیں ہوتا۔
میرے محبوب خدارا آکر بتادے کہ میں اس کرب کا کیا علاج کروں۔
میں سانپ کی طرح پیچ وتاب کھا کر وادیوں کی جانب رخ کرلیتا ہوں
تیرے کاغذی ہونٹوں نے مجھے بادسموم کی طرح جھلس دیا ہے۔
احمریں آنکھوں نے بنوں میں آوارہ پھرنے پر مجبور کردیا ہے
میرے شفاف دل پر خون، تہ در تہ جم کر رہ گیا ہے
نہ تم میرے دل تشنہ کا حال پوچھتے ہو۔
نہ کوئی سلام بھیجتے ہو نہ احوال پرسی کرتے ہو۔
نہ پرسش حال کرتے ہو اور نہ کوئی سلام بھیجتے ہو۔
(بلکہ) دل آزاری کی باتوں سے ہجر کے غموں کو تازہ کرتے ہو
نہ کوئی کاغذ بھیجتے ہو نہ کوئی صحیح احوال"

اردو اور فارسی کے غزل گو شعرا کا کلام صرف عشقیہ مضامین تک محدود نہیں بلکہ شعرا نے حکمت فلسفہ، نفسیات، اخلاقیات اور تصوف کے مسائل کو بھی شامل کرکے اس میں غیر معمولی وسعت

گہرائی اور گیرائی پیدا کی ہے۔ غزل میں نئے موضوعات شامل ہو جانے زبان میں نئی تراکیب مزید بندشوں اشارات و کنایات اور رموز و علائم کے باریک دفتر بے پایاں کا اضافہ ہوا ہے۔ جس سے ابلاغ و اظہار کی نئی راہیں کھل گئی ہیں۔ لیکن اس کے برعکس بلوچی نظم اس قسم کے لطیف اشارات و کنایات سے یکسر تہی دامن ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ بلوچی عشقیہ شاعری، شعری محاسن سے بالکل خالی ہے

ہر چند بلوچ شاعر نہایت سیدھے سادے اور سپاٹ انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن اس کے افکار میں جذبہ کی شدت کے ساتھ ساتھ سوز و گداز کا عنصر نمایاں ہے۔ جیسے مست کہتا ہے۔

کونج ژا شدھءَ بیایاں ولدائیں موسماں
کونج کرامتے وَ منئے دل ءِ درماں نواں
مے دل ءِ درماں سمل ءِ دھشیں کھندغاں
گڑتھغاں کونج مس دے نیں داز گڑدے کھاں
آنکوگوں کونجی ولدے سنگت بیثغاں
کونجاں پہ بال ءَ مس بیا ڈھپاڈ وگام ہوشاں
کونج حراسان ءَ مس پہ سیوی ءَ تاہراں
دل منی مانغائیں پہ ہءِ سمو مجلساں
دیثہ مس سمو کھرءَ کھاں خاسائیں گذاں
تھنگوی بھی رستہ گور آرلغیں پھتاں
سمل ءِ لوڈ گوناں گوں کھنی کونتراں
رنگ ءِ شرانت و رآت سیمینانی ورو شماں

یعنی "سندھ سے کونجوں کی واپسی کا موسم ہے۔
کونجوں کے لغنے گونج رہے ہیں لیکن یہ شیریں صدائیں ہمارے دردل
کا علاج نہیں۔
ہمارے غم دل کا علاج سمو کے شیریں مسکراہٹ میں پنہاں ہے۔
کونج وطن واپس لوٹ رہے ہیں میں بھی وطن لوٹتا ہوں۔
میں بھی کونجوں کی ڈار کے ساتھ شامل ہو گیا۔
کونج قطار اندر قطار جا رہے ہیں میں بھی ان کی قطار کے ساتھ جا
رہا ہوں۔
کونج اڑتے چلے جا رہے ہیں اور میں پا پیادہ رواں ہوں۔
کونج خراسان کی جانب بڑھتے چلے گئے لیکن میں سیوی ٹھٹھوں کا
(کیونکہ) میرا دل سمو سے ملنے کے لئے بہت اداس ہے۔
میں نے سمو کو دیکھا اس نے لٹھے کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔
ماں باپ نے اسے لاڈلے بیٹوں کی طرح ناز و نعم میں پالا
کبک اور کبوتروں نے اس کی رفتار اپنائی ہے
اس کے خدو خال خوبصورت ہیں اور وہ بہار کے مانند ہے"

اردو فارسی شاعری میں مدتوں سے یہ روایت چلی آرہی ہے کہ عاشق محبوبہ کی توجہ مبذول کرانے یا اس کے جذبہ ترحم کو ابھارنے کے لئے ہر قسم کی ذلت و نکبت اور خواری و رسوائی برداشت کرنے پر آمادہ نظر آتا ہے حتیٰ کہ محبوبہ کی دشنام طرازی بھی نہ صرف قابلِ قبول ہے بلکہ وجہ افتخار اور باعث مسرت و انبساط ہے کہ:

هرچه بگوئی بگو کز همه دشنام تلخ　　چوں بہ لبت می رسد شهد و شکری شود

چنانچہ شعراء نے نہایت پرجوش انداز میں اس روایت کی پیروی کی جیسے کہ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہوگا۔

دشنام دہی و برلب تو　　روح القدس آفریں نویسد

قند آمیختہ با گل نہ علاج دل ماست،　　بوسہ چند بیامیز بہ دشنامے چند

گر نام او حدی سگِ لذت از دوش مراں،　　اوز ایں بہ ہر لقب کہ تو دانی بخواں کہ ہست

مرزا غالب اور دوسرے خود دار شعراء نے جو عملی زندگی میں مبالغہ غلو کی حد تک خودداری کا مظہر تھے۔ اس روایت کو بلا تکلف اپنایا ہے مرزا غالب نے تو اس روایتی موضوع پر نہایت بلند پایہ اور معرکتہ الآرا شعر کہے ہیں۔ جیسے کہ فرماتے ہیں۔

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی

اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے یا

واں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب۔ یاد تھیں جتنی دعائیں صرف درباں ہوگئیں

محبوب کی رضا جوئی اور اس کے جذبہ ترحم کو بیدار کرنے کے لئے بوہج شعراء نے بھی کبر نفسی اور عجز و نیاز کے تمام حربے آزمانے کی بھرپور کوشش کی ہے لیکن قدرے مختلف انداز میں بوہج شاعر محبوب کی توجہ جذب کرنے کے لئے اپنی جان عزیز تک نذر کر دینا چاہتا ہے۔ لیکن عام ڈگر سے ہٹ کر ایک ایسے سنجیدہ اور پُر وقار انداز میں جس سے شاعر کی انا مجروح نہ ہونے پائے۔ جیسے شہ مرید حالی سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

موجیں دل ءَ نیتیس رضا ۔ اگر تمہارے من میں میرے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں

زیبھر دتی جوذءِ مُجّغ ءَ ، تو اپنے خاوند کا ہتھیار اٹھاؤ

براخ و دو گوشیں خنجرءَ ، تیز دو دھاری خنجر اٹھالو

سَل دی مریدءَ مں کش ءَ ، مرید کے پہلو میں گھونپ دو

ہر دو کشاں پارءَ گوزیث ۔ جو اس کے دونوں پہلوؤں کے پار اتر جائے

حون پہ پلکاں ایر رشیت ۔ (اور) خون فوارے کی طرح ابل پڑے

پاکش بکن گوں دامن ءَ ۔ بہتا ہوا خون اپنے دامن سے صاف کرو

ھنی رژیں موڑدانغاں ۔ اپنی حنائی انگلیوں سے

لیٹاں ہماں ہند ءَ کفغاں ۔ میں وہیں تڑپ کر گر جاؤں

حانو لقئ گُل ءِ دف ءَ ۔ تیرے خیمے کے دروازے پر

صبوی کہ بیایاں ورنگہار ۔ صبح کو جب تیری سہیلیاں آئیں

شاری و دابانی شلی ۔ شاری اور نازوں والی شلّی

لڈوخ و دُریں مہلوی ۔ کبک خرام دردانہ مہلوی

ماہیں مذی و مہروی ۔ مہ رو ، گذی اور مہروی

اشش تو ہیے پھول ءَ کفغاں ۔ جب تجھ سے پوچھیں

شہ نگریں چجے ءَ جتہ ۔ شہ مرید کو کس نے مارا

کسی بذانہ ءَ نیت ۔ یہ تو کسی کی برائی نہیں چاہتا تھا

اشش وث سیار ءَ دیر کفنے ۔ (تم) اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دینا

شہ پہ شغانی چپر غاں ۔ (کہنا) شہ مرید بلا وجہ راتوں کو یہاں گھومتا آتا تھا

ما یہ میاراں بھلتہ - ہم نے ملامت سے بچنے کے لئے اسے منع کیا (پروہ باز نہ آیا)

میر چاکرءِ بور ءَ جھتہ - میر چاکر کی گھوڑی نے اسے لات ماری

پوری کی پوری نظم ایک غزل مسلسل ہے۔ جس میں نہایت بے ساختگی کے ساتھ ڈرامائی انداز میں محبوبہ کے جذبات ترحم کو بیدار کرنے کی فنکارانہ کوشش کی گئی ہے۔

توکلی مست کا انداز فکر شہ مرید سے قدرے مختلف ہے۔ توکلی ایک درویش خدا مست اور مجذوب شاعر تھا وہ مکروہات دنیا سے یکسر بے نیاز اور مستغنی تھا۔ لیکن عزت نفس کے معاملہ میں بے حد حساس تھا۔ اس کا سر پر غرور محبوب کی نخرا ئیوں کے سامنے بھی خم نہیں ہوتا۔ بعض اوقات تو وہ سمو کی بے اعتنائیوں کے جواب میں۔ سہ

دامن کو آج اس کے حریفانہ کھینچئے۔ کی حکمت عملی سے بھی باز نہیں آتا

سمو کے سلام و پیام کے جواب میں مست یوں سخن گستر ہوتا ہے

من نیایاں دوست نی پھیناماں نماں
اڑ تھئی بے سیتیں سلاماں دیرؤ گہاں
باز تھئی لڈائی بھجزاکاماں بیثغاں
سچاذاں نال لبتہ پہ ڈغارانی جزغاں

چھم منی ٹُہراں پہ ٹُفانی گِرذ وہا وہاں

یعنی " میں اب لوٹ کر نہیں آؤں گا، میرے محبوب میرے لئے پیغام نہ بھیجا کرو

تیرے رب ے سود ہے معرفت سلام و پیام سے میں دُور ہی اچھا
میں مدتوں تیری کاروان کے پیچھے پا پیادہ پھرتا رہا۔
مسلسل پیادہ سفر سے میرے پیروں کے چھالے بن چکے ہیں
رت جگوں کے باعث میری آنکھیں پُر خون ہیں "

مشکلات اور موانعات کے باوجود، مست کوئی نہ کوئی تقریب پیدا کرکے سمو کے ہاں جا پہنچتا اور اس کے خیمے کے اردگرد گھومتا رہتا مست کی ان غیر سنجیدہ حرکات و سکنات سے سمو کی عزت و ناموس پر حرف آنے کا اندیشہ تھا چنانچہ سمو اس سے بے نیازی برتتی تھی۔ تا کہ وہ صورت حالات کی نزاکت کو سمجھ کر موقع بے موقع کی آمدورفت سے باز آجائے۔ مست نے بھی محسوس کر لیا کہ سمو اس کے طرز عمل کو ناپسند کرتی ہے۔ چنانچہ مست کی حمیت یہ گوارا نہیں کرتی کہ اپنی تسکین کے لئے سمو کی پریشانی خاطر کا باعث بنے۔ چنانچہ وہ علاقہ چھوڑ کر پہاڑوں کی راہ لیتا ہے اور سمو کے لئے یہ پیغام چھوڑ جاتا ہے۔

سمل ءُ لوڑاں رہزن ءَ گِنداں
چھے مرادے تھئی بولک ءَ بنداں
مں وتی جان ءَ وزہاں بوژاں
مٹنکاں گوں سرلامب ءُ کھلیریغا
ڈل کبیرانی سونز تزین سو لاں

سمل ءِ بو غانی گورد گیغاں
جھٹ ءَ کھنت سموزیری مئے سنجاں
واری گوں تھتی این دل ءِ بنداں
مارءَ گیر کھاری کھیت پہ مئے رنداں
گوستغت مست پہ کلشنزُ و سنداں
تھانگر یں گرڈیں سمل ءِ بیلی
گند نصیبو کہ تھا نگرءَ ٹلی
شاہ بذی آنی باتہڑءَ بھیلی
مارا گوں لالیں سمل ءَ میلی

یعنی "سمو کے انداز خرام میں غصے کی جھلک نظر آتی ہے
مجھی کہہ دو، کس امید پر تمہارے ڈیرے پہ بیٹھا رہوں
میں اپنے ہتھیار اور ساز و سامان یہیں پھینک دوں گا۔
کھلیر کے درخت کے شاخوں پر ٹانگ دوں گا
کیکر کے درخت کی سبز شاخوں کے ساتھ
سمو کے گھر کے آس پاس
سمو جھپٹ کر میرا سامان اٹھالیگی
اور سینے سے لگالے گی
ہمیں یاد کرے گی اور تلاش کرنے آئے گی
مست دشوار گذار اور سنگلاخ چٹانوں سے گزر گیا ہے
خدا جانے سمو کا رفیق و دمساز کہاں گیا ہے
نہ جانے کہاں کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔

خدا دشمنوں کا خانہ خراب کرے

اور ہمیں سمو سے ملا دے "

مست ایک مرتبہ جذبات سے مجبور ہو کر سمو کا دیدار کرنے گیا اور بھیس بدل کر سمو کے ہاں مہمان ٹھہرا۔ لیکن سمو کی نگاہیں مست کو پہچاننے میں کبھی دھوکا نہیں کھا سکتی تھیں۔ سمو نے اسے پہچان لیا لیکن اسے عاشق صادق کا یہ ریاکارانہ بہروپ پسند نہ آیا لیکن بلوچی روایات کی رو سے مہمان کی خاطرداری بھی لازمی تھا۔ جب گھر میں مرد موجود نہ ہوں تو خواتین بھی مہمان کے لئے "تدا"، یعنی چٹائی بچھا دیتی ہیں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا لیکن اس کے انداز و اطوار سے مست نے محسوس کر لیا کہ سمو کو اس کی یہ خفیف حرکت پسند نہیں۔ چنانچہ اس خیال کے آتے ہی اس پر ایک جنون کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ سمو کا "تدا" چھوڑ کر بے اختیار روانہ ہو جاتا ہے۔ اب عشق و محبت کی جگہ بلوچی غیرت و حمیت کا مسئلہ سر اٹھاتا ہے۔ قبائلی روایات کے مطابق مہمان کا میزبان کے ہاں سے کچھ کھائے پیئے بغیر چلا جانا میزبان کے لئے باعث ننگ ہے۔ چنانچہ سمو اسے واپس بلانے کے لئے قاصد روانہ کر دیتی ہے۔

"عشق و محبت اور ننگ و ناموس کے درمیان جنگ اور کشمکش کی کیفیت کو خود یوں بیان کیا ہے۔

تئو مس دیتہ دوشی گوں زباہ رشانزاں

سیر سالو کی کھڑ کھنت بے دوشیں گزاں

بہرتغ کھنت چھاں گوں ہزار لونغیں سیر مغاں

ولیں چھر ینتو بولک ءَ مہاں بیتغاں
سمجھتغاں من کہ دل ءَ بتراں گپتغاں
اشتہ من تبڈا گوں گنوخ شلی علمہاں
بولک ءَ دوست ءَ لگفشی ءَ سرگپتغاں
شذ بلوچانی کھنت ہرجاہے قصواں
بے نزیتہ کہ دوست ءَ کھاڑداراں گپتغاں
اے گنوخیناں گوشتناں میعان ءَ نہ گیڑ
بیالواں پہ بے تھر گنوخانی اٹکلاں
ورنفی سموزا وتی سیری جیمہ آں
لال تانخاقی بورءَ پہ رنداں رتکغاں
پھاذ ءَ او دیوانغ تھرادرلنے کھتاں
گندغی اولی کل مسی دست ءَ بیتغاں
سوہوی چاٹاں الکہ چپیاریں دیتغاں
ایتیں زانے آں پچ ہورتءَ پیلونیاں
نیں گنوخ کھایئے من سرءَ قرباں ءِ کھتاں
سرمنی قرباں دیم گوں دریں ویذ غاں
عبذاں زالی دست ماں گیوارءَ گھٹاں
من تھئی آں وتی گنڈا پچ کتی نیاں
عبداں پچاریزاں چھوقر آتانی اکھراں
دستی، حضرتی ریشاں جھوقر آتانی زیارت کھتاں

یعنی : رات میں نے سمو کو خواب میں شادان و فرحان دیکھا

دُلہن کی طرح نئے کپڑے زیب تن کئے ہوئے
سرے کی ہزاروں اقسام سے آنکھیں مزین کئے ہوئے
بھیس بدل کر میں اس کے ہاں مہمان ٹھہرا
میں نے محسوس کیا کہ جذبات کے ہاتھوں میری حالت غیر ہوگئی۔
عالم جنوں میں، میں "تڈا" چھوڑ کر روانہ ہوا
محبوب کے گھر سے مُجھو کا چلا آیا۔
بلوچی حمیت ہر موقع پر اپنا کام کر جاتی ہے۔
محبوب کے کارکنوں نے، بلا توقف مجھے آن لیا۔
(انہوں نے سمو کو صدا دی) یہ شخص تو دیوانہ ہے ہماری بات نہیں مانتا
تم خود ہی آجاؤ۔ شاید تمہیں دیوانوں کو سمجھانیکا فن آتا ہے۔
سمو اپنے حجلہ عروسی سے باہر نکل آئی
اس کے نقوش قدم سے لال تاخ کی خوشبو پھوٹ رہی ہے
(اس نے کہا) او دیوانے اُٹھ کر آجا کہ میں تیرا علاج کروں
اس سے پہلے جتنی بھی خطائیں سرزد ہوئیں، میری خطائیں تھیں
تجھ تک پہنچنے کے لئے میں نے ساری دنیا چھان ماری
(ہر چند) میں عورت ذات ہوں اور کسی بات میں کامل نہیں
(لیکن) اے دیوانے، اب اگر تو آجائے تو میں تجھ پہ جان قربان کروں گی۔
یہ سرپہ رخ زیبا اور یہ پرنور آنکھیں تجھ پہ نثار کر دوں گی
ایک خاتون کی حیثیت سے میں سر کے بالوں کو ہاتھ لگا کر عہد کرتی ہوں۔

(کہ) میں فقط تیری ہی ہوں اور کسی غیر کا میرے ذہن میں تصور تک نہیں۔

میں اپنے قول کا اس طرح پاس رکھوں گی جیسے قرآن کے حروف کا احترام کیا جاتا ہے۔

میں تیرے ریش مبارک کا قرآن کی مانند زیارت کروں گی"

مذکورہ بالا نظم صرف ایک خوبصورت اور فکر انگیز فن پارہ ہی نہیں بلکہ مسلسل اور مرصع غزل کی تمام خوبیوں کا آئینہ دار ہے شاعر نے نظم میں بلوچی غیرت و حمیت، جانثاری کی اہمیت اور قبائلی روایات کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ عشق بے پروا کی جنون سامانیوں کے سامنے حسن خود آرا کی نیاز مندیوں کی دلچسپ داستان بھی رقم کی ہے۔ مست اعشق و محبت کے اس مقام پر پہنچا ہوا ہے جہاں "حسن" عشق کے سامنے اپنی بے وفائیوں کا اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور یہ مقام وہ بلند مقام ہے جو عشاق صادق ہی کو بقدر وسعت شوق میسر آسکتا ہے۔ مرزا بیدل نے کیا خوب کہا ہے

چوں شمع سربلندی عشاق معنت نیست
یعنی بقدر سوختن است آبروے ما

بلوچ شاعر جب اپنی محبوبہ سے مایوس ہو جاتا ہے تو یا تو وہ صحرا نوردی کے لئے دشت و بیاباں کا رخ کر لیتا ہے۔ یا وطن چھوڑ کر پردیس جانے کا ارادہ کر لیتا ہے۔ یا پھر مجبور ہو کر محبوبہ کو بد دعائیں دینے کی دھمکیاں دیتا ہے۔ شہ مرید جب جانی سے مایوس ہو جاتا ہے۔ تو وہ وطن چھوڑ کر جہاں گرد درویشوں کی ٹولی میں شامل ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ کہتا ہے۔

حانی محتاں نثرہ انگلاں

شوں مذے کوفغ سراں

ڈولاں گوں دکانیں گوراں

مں نیں بھتیءَ یہ گنجءَ نیاں

مشیں ہر دوازدہیں بند شکغاں

درماں جتو غیں تکغاں

مں گوں سواں مڑداں رواں

(کہ)گرنت وذمیانءَ گراں

سڑجہ کہیریں بنڈءَ تاں

نشتیں جہی کھر کھا دغاں

یعنی "حانی ناز و انداز نہ دکھاؤ

اپنے حسین شانے نہ دکھاؤ

سڈول بانہیں اور ابھرا ہوا سینہ

میں اب تیرے قابل نہیں رہا

میرے بارہ بند جل چکے ہیں۔

کارگر دوائیں بیکار ہو کر رہ گئی ہیں

میں ان لوگوں کے ساتھ چلا جاؤں گا۔

جو روٹی کے لقموں کی بھیک مانگتے ہیں

جو کہیر کی لکڑی کو سرہانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

کھر کھاوغ بوٹی کی شاخیں جن کے بچھونے ہیں"

مری قبیلہ کا نامور شاعر بجار مری محبوب کی کج ادائیوں سے تنگ آجاتا ہے۔ تو اسے بد دعائیں دینے پر اتر آتا ہے، جس کا وہ یوں تذکرہ کرتا ہے۔ کہ ایک دن ایک کبوتر کہیں سے اڑ کر پاس آیا۔ اور محبوبہ کی جانب سے شکایت آمیز لہجہ میں کہا کہ تو اپنی محبوبہ کو کیوں بد دعائیں دیتا ہے۔ جبکہ اس نے کبھی بھی تیری دل آزاری نہیں کی۔ بجار کہتا ہے:

کونتر پہ آزارے بہ کالا ئیت
کہ تئی پچھے ہیلیج ءَ دئے دعایاں
کدتھرا سیہ کامی کتہ لال ءَ
حال ہمیں جوریں دژمناں داتہ
ماخول تھئی حیری دوست ءَ راہاکو
آں جنء درد تاں داں تھو ءُ کھاں
تھئی سلاماں دنے لال ءَ پہ بجینوں

یعنی " کبوتر بڑے دکھ سے گویا ہوا
کہ تم اپنی محبوبہ کو کیوں بد دعائیں دیتے ہو
اس نے کب تمہاری دل آزاری کی
وہ بات تو نامراد دشمنوں نے پھیلائی
ہم تو تمہارے خیر خواہ اور تمہارے دوست کے قاصد ہیں۔
اس کے سلام تجھ تک پہنچانے آئے ہیں۔
تیرے سلام بھی تیری محبوبہ تک پہنچا دیں گے۔

مست بھی سمو کی بے نیازیاں اور بے اعتنائیاں دیکھ کر دل برداشتہ

ہو جاتا ہے۔ شاعر اسے تنبیہ کرتا ہے۔ کہ ہمارا دل دکھانا چھوڑ دو۔ مبادا، گدڑی پوش فقیروں کی بد دعا لگ جائے۔ جیسے کہ کہتا ہے۔

ہاکھنے سمو اے دنیائے جوانی ءُ گوزی
ہاکھن اے دوست ءَ دل ءِ بمبالاں مزیز
عیناں برزآرے دیر بنت سالانی زہیر
زڑ دءَ دیہ آرے دبذ غانی مہرءَ مزیر
زیرئے بمبالاں پٹنتے ریلی ایں فقیر

لیعنی : اے سمو اگر تم ہاں کہدو تو زندگی آرام سے گذر جائے گی
ہاں کہدو، ہمارے دل کے پاپ نہ اٹھایا کرو
تم آنکھیں اوپر اٹھاؤ گے تو سالہا سال کے فراق کے غم دور جائیں گے
دل ہٹالو گے تو کم از کم نظر کرم سے تو محروم نہ رکھو
ہمارے پاپ اٹھاؤ گے تو گدڑی پوش فقیر تمہیں بد دعا دیں گے

شاعری اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ زندگی معاشی معاشرتی اور سیاسی حالات سے دو چار ہوتی ہے۔ ادب کی عکاسی کرتی ہے۔ قدیم بلوچی عشقیہ شاعری کو اس زمانے میں فروغ حاصل ہوا جبکہ بلوچ معاشرہ تہذیب و تمدن کے ابتدائی مراحل میں تھا۔ آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال بیشتر بلوچ معاشرہ ترقی یافتہ تمدن کی سہولتوں اور آسائشوں سے یکسر نا آشنا تھا۔ اس لئے بلوچ قبائل ایک سیدھا سادھا اور تکلفات سے عاری، فطری زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بلوچی عشقیہ شاعری میں سادہ اور فطری جذبات کا پر اثر انداز میں بھرپور اظہار ملتا ہے۔ کیونکہ قبائلی ماحول میں عشق و محبت کا

جذبہ تیغوں کے سائے میں پروان چڑھتا ہے ۔ مست کا تمام تر کلام سوز و گداز کے اعتبار سے حقیقی جذبات و واردات کی عکاسی کرتا ہے ایک غزل مسلسل یوں فرماتے ہیں ۔

جی پہ کفی مُرزمیں جزرغ و واشیں کھندغاں
جی پہ کفئ بوآں اڑ منی جان ءَ دیرخاں
سمو کھتئ ٹوک جہوستار وجی بانگھاں
دوئیں دستانی مندری چو آسی بکلاں
سینغ ءِ تاویت چو گروخ تاڑی اَک جناں
لونگی ٹاری ءِ رُستہ مس ارگونیں گراں
زڑکھتغا بوآں ، بوءِ چو ہمبوئ ذراں
جان اوں سارت بیتہ اشتہ پہناد سنبغاں
دام اڑ چھانی تھلاں ئیں دیربیتغاں

یعنی ، تیرے خرام ناز اور شیریں مسکراہٹ پر نثار
آہ تیرے بدن کی خوشبو اسے مجھ سے دور نہ رکھ
تیرے باتوں کی نغمگی جیسے ہنگام سحر ستار کی آواز
تیرے ہاتھوں کی انگوٹھیاں آگ کی طرح روشن ہیں
سینے کے تعویذ چمک برق کی طرح رقصاں ہیں
وہ لونگ کے بوٹے کی شاخ ہے جو پہاڑوں کے غاروں میں اگتا ہے
اس کے خوشبو کی لپٹیں آرہی ہیں جو عنبر کی طرح مہک رہی ہیں
میرا بدن آسودہ ہوا ۔ سینہ اور پہلو کی ٹیسیں کم ہوئیں ۔
اور آنکھوں سے تاریکی کے پردے ہٹ گئے ۔"

مست تشنگی شوق کا حال بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ۔

دوست پہ تھئُ مونجھاں جھکرا تھنی بیتغاں
کھوراں جھاگیاں مشکاں گوں پنڈاں ایرباں
سمل ءِ دستاں یک چلوئے آفی وران

یعنی :

میرے محبوب میں تیرے فراق میں کس قدر تشنہ کام ہوں
یہ تشنگی) ندی نالوں اور بھرے ہوئے مشکوں کا پانی پینے سے کم
نہیں ہو سکتی ۔
ولیکن) سمو کے ہاتھوں چلّو بھر پانی اس پیاس کو بجھا سکتا ہے ۔

مست کی محبوبہ سمو ایک دہقانی عورت ہے ۔ جو دیہاتی عورتوں کی طرح گھر کا تمام کام کاج کرتی ہے ۔ وہ بھیڑ بکریاں چلانے پہاڑ کے دامن میں واقعہ سبزہ زاروں تک جاتی ہے ۔ وہ ننگے پیر چشمے پر جاتی اور پانی کا مشکیزہ سر پہ اٹھا لاتی ہے ۔ کیونکہ یہ تمام کام دیہاتی زندگی کی معمولات میں شامل ہیں ۔ مست کسی قسم کے تصنع تکلف اور احساس کمتری کے بغیر بلا کم وکاست ان پر مشقت و دشوار ساجی حالات کا تذکرہ کرتا ہے ۔ جن پر سمو زندگی گذارنے پر مجبور ہے

دوست منی بیواکاں کھشہ وانڈھ گوں بزاں
پھاذ شفادی ءِ کوہ بن و کھوڑان دگران
سل ءِ پھر من کمگیں انترزی رختغاں
دوست منی گریئے وش کھنے جوریں وژمناں

یعنی

میرے محبوب کو بزدلوں نے بکریاں چرانے پر مامور کر رکھا ہے
ننگے پیر پہاڑوں کے دامن ، گھاٹیوں اور کھائیوں میں

سمو کی آنکھوں میں میرے لئے آنسو بھر آئے
اے میرے محبوب تم رو رو کر دشمنوں کو خوش نہ کرو "

غم ہجر اور آرزوئے وصال شعر و ادب کے وہ رنگین عنوانات ہیں جن کا ذکر روز ازل سے جاری ہے لیکن یہ وہ شیریں داستان ہے کہ بار بار کے تکرار کے باوجود اس کی حلاوت اور شیرینی میں کوئی کمی نہیں آتی

شیریں تر از حکایت مانیست قصۂ
تاریخ روزگار سراپا نوشتہ ایم

توکلی مست دل دیوانہ کے ہاتھوں اپنی حالت زار کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

دل گو ضیناں کھاری ناذانی انگلاں
انگل ءَ کھنت و نام ءَ گیر ورشک زاماں
ظالم و زوراخ بیتہ ژا میٹرو منتاں
گرہ کھاں بچی بیا رہواں ورشک ءَ سماں
بیا او میلنج کہ مس گوں اے ٹوایاں چھوں کھناں
ریخ گراں ماری پہ پواداں دیم ءَ کھناں

یعنی

"یہ دل دیوانہ بے نادانوں کی طرح ضد کرتا ہے۔
اس زامرقامت کا نام لے کر بیجا اصرار کرتا ہے
یہ ظالم اور بے رحم بن گیا ہے۔ اس پر منت زاری کا کوئی اثر نہیں ہوتا
لاڈلے بیٹے کی طرح ضد کرتا ہے کہ سمو کو لے کر آؤ
میرے محبوب خدارا آکر بتادے کہ میں اس کرب کا کیا علاج کروں

میں سانپ کی طرح بل کھاکر وادیوں کی جانب رخ کر لیتا ہوں "
مست کا کلام تصنعات اور مبالغہ آرائی کی بجائے حقیقت پسندی اور جذبات نگاری کا ایک رنگین مرقع ہے ایک نظم میں کہتا ہے۔

پھڑتہ مں میناں چھوکہ پہ حانی ءَ مرید
چھوکہ پہ بَرّاں اخترءِ پھولٹ گلڑی
مں تہ شاں سموبھقہ ہواں ورشکانی برٹے
گوہرءِ درویمیں ھمیری آں ستیغ
نیں گنوخاں وئیں کہ مں جُبّراں شینکلاں
سمل رءِ سالانی زہیراں شیگنغان

"یعنی"

میں اس طرح تیرا دلدادہ ہوں جیسے حانی کے لئے مرید
یا جیسے کہ اختر بیابانوں میں گلی کو تلاش کرتا پھرا
میں کہتا ہوں سمو تو درختوں کا میوہ نورس ہے
جو گوہر کے درگوش حسینوں کے قبیل سے جدا ہوئی
نہ میں دیوانہ ہوں نہ جامہ دریدہ
سمو کے سالہا سال کی جدائی نے میرا دل چیر کر رکھ دیا "

مذکورہ بالا نظم میں شاعر نے اپنی محبوبہ کو گوہر جاٹ کے مشہور حسیناؤں سے تشبیہ دی ہے۔ روایات کے مطابق اس قبیلہ کی چند خواتین گوہر، سمی، شاری، شلی حسن و شباب کے اعتبار سے اپنا ثانی نہ رکھتی تھیں۔ ان خواتین کا حسن جہانسوز متعدد قبائلی جنگوں کا باعث بنا جنہوں نے بلوچوں کی تاریخ کا دھارا ہی بدل کر رکھ دیا۔

مست جب سمو سے آزردہ خاطر ہو جاتا ہے تو اس کا نعم البدل تلاش کرنے کی جدو جہد کرتا ہے لیکن وہ اس بے سود کوشش میں ناکام ہو جاتا ہے جیسے کہ کہتا ہے

چھر کھتہ گلا آذ کچاوا دکونتراں
سرا دور ماتڑیں جن ءِ جھوٹایاں دراں
پھول گند پیھے رنگ ءِ جو سمو درو شماں
پھولغ ءَ سمو ءِ بدل پیدا اش ءَ نواں
زراں چاندی ایں تھنگواں پھریا شرفی
درشکاں کھول میریں بو ءِ چو مشکان ءَ زری
کونغ وکھنڑ ساں ءَ دیاں سندھ ءِ جو کری
بوئے مں جاداں لبتغاں نو نکانی بھری
وریرھے زلالاں مان ءَ ثنت درگوشیں پری
سمل ءِ عہداں مں نہ بھوریناں امبری

"یعنی"

اونٹوں کی قطار رواں ہے۔ جن پر کجاوے ہیں اور ان میں حسین عورتیں۔
ناز پروردہ خواتین کجاووں پہ جھول رہی ہیں
دیکھو تو شاید کسی کے خدو خال سمو سے ملتے ہوں
لیکن تلاش سے سمو کا نعم البدل نہیں مل سکتا
وہ خالص چاندی اور سرخ طلائی اشرفی کے مانند ہے
وہ کھول میر کے بوٹے کی مانند ہے۔ جس کی خوشبو مشک

کی طرح ہے ۔
سندھ کی الھڑ دوشیزائیں محو خرام نازنین ۔
ان کی زلفوں میں لونگ گندھا ہوا ہے ۔
ڈیرہ کی حسیناؤں کے کانوں میں موتی جڑے ہیں ۔
لیکن میں سمو کے ساتھ کئے گئے عہد کبھی بھی نہیں توڑوں گا۔
ایک اور جگہ اسی خیال کو قدرے تفصیل سے اور نئے انداز میں بیان کرتا
ہے

جی پہ تئی لوڈاں و حدتیاں دکھندغاں
جی یہ تئی لوڈاں کھولو دکانان ءُ بزہاں
پر تئی لوڈاں من کنتاں قرباں دیذغاں
روح مناں شیت کرہیا تھر اپے کوہاں بلاں
مں تھر اشوں داراں ال رؤ دروشماں
تھہ گشین کھن زیرہر کر بی سمو دروشماں
پھولٹ ایں سمو رءِ بذل پیدائش ءُ لوّاں
دوست منی شریں جپھر سینانی مچھلاں
برئے دہشیں چھوگورٹ تفتیش نوذانی کھپڈاں

یعنی

تیری رفتار گفتار اور تیری ہستی پر نثار
کاہان اور کوہلو کے علاقے میں تیرا خرام ناز
تیری رفتار پر میری آنکھیں قربان
دل مجھ سے کہتا ہے کہ تجھے پہاڑوں پہ لیجاؤں

(دہاں) تجھے تیرے محبوب کے ہم شکل دکھا دوں
جس کی شباہت سمو سے ملتی ہو اسے منتخب کرو
ہم نے بہتیرا تلاش کیا لیکن سمو کا نعم البدل پیدا نہ ہو سکا
میرا محبوب بادل کے ٹکڑیوں کی طرح حسین ہے
اس کی خوشبو، بارش برسنے کے بعد زمین سے اٹھنے والی سوندھی خوشبو
کی طرح ہے"

ہجر و فراق کے غمہائے دلگداز کی داستان مختصر ہونے کے باوجود اس قدر طویل ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آتی :-

یک حرف بیش نیست سراسر حدیث عشق
اما حکایتے کہ بہ پایاں نمی رسد

مست اسی حکایت دلنواز کا نہایت پرسوز انداز میں تذکرہ کرتے

ہو کہتا ہے :

دل کنوخ بنیۃ بل ءِ شوامست رو فقواں
گیرءَ کھیت سمو کھلاں ڈا دہاد ءَ دریغاں
روش ءَ بیت وگر سردرے محلاں آنکھاں
چھر کنتہ لوکان وکپاواڈ کو نستراں
بادشاہ زادی گوں ہزار ویسیں وزیراں
دل منی پسند ءَ نخت ترنزیہ ھہیراں
حما پہ سشے چھاں نیتہ سوا سو لڈغاں
مسل رءِ بوڑ گزناں گوں کہنی کو نتراں
برۓ جاوانی چھوٹکاں وعطراں

بندی جادان دکھڑ ءُ کھنت تکنائیں گذاں
تھنگویں بچھی رستہ گور آرلفیں بھچاں
سمل ءُ لوڈاں تھی جن ءُ کاہان ءُ نخاں

"یعنی"

یہ دل دیوانہ ہے تم مست کی باتیں چھوڑ دو
سمو کی یاد آتی ہے تو میں نیند سے ہڑبڑا کر اٹھتا ہوں
طلوع آفتاب کے وقت میں (تکی) سردار کے دربار جا پہنچا
اونٹوں کجاووں اور حسینوں کی قطار رواں ہے۔
البڑ شہزادیاں رنگ برنگے ملبوس زیب تن کئے ہوئے ہیں
گھنی زلفوں والے حسینوں سے مجھے کوئی بھی پسند نہیں آتی
اچھا ہوا جو تم نے سمو کو محو خرام نہیں دیکھا
زلفوں میں پرندے باندھ کر وہ قیمتی ملبوس پہن لیتی ہے
وہ لاڈلے بیٹوں کی طرح ناز و نعم میں پلی
کاہان میں سمو کا خرام ناز کسی اور خاتون کو میسر نہیں آ سکتا "

اگر ذوق طلب صادق ہو اور جذبہ شوق کامل ہو تو زندگی کے دشت بے پایاں میں، منزل خود ہی بڑھ کر، رہروانِ شوق کے قدم چوم لیتی ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

نیروئے عشق نہیں، کہ دریں دشت بیکراں
گامے نہ رفتہ ایم و بہ پایاں رسیدہ ایم

آخر کار مست کا نالۂ نیم شبی اور آہ سحرگاہی رنگ لائے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مست کے سامنے خود سمو رو رو کر

وفاداری بشرط استواری کا عہد کرتا ہے۔ اور مست اس صورت حال سے متاثر تک نہیں ہوتا جیسے کہ کہتا ہے۔

پیھیری گوں درچین این جن ءَ گالی بیتغاں
محشریں سیاں دیثہ ما سمولڈغان
گوں منی دیما عومری اقرار کھتاں
گونڈلیں انٹرزی گوں زہیرانی زارہاں
زارہ ءِ کشتو دست مں سرزاناں چھتاں
نیں گتوخ گرڈی نیں کہ سہرابی چھرغاں
شموشی کھائے مں سرءَ قربان رکھتاں
سرتھرا انگلیس دیم گوں درتیں دیذغاں
تھتیءُ میری ستھیاراں مں لحیف ءِ توخ ءُ کھتاں
مں تھتیءُ بورءُ گوں سرءِ مشکاں آف دیاں
مں نیایان و دوست منی پھیغاماں مخاں
مں وثی قولاں عومری سپیار بیتغاں
بیتغاں سپیار چھوجہانی ءُ دیتغاں
روح ءُ رودلوءِ بلءِ شوامت ءِ قصواں
دل گنوخیناں مارا داشتی ءُ مں ارگذاں

"یعنی"

پرسوں میں اس دلِ گفتار محبوب سے ملا
سو سبزہ زاروں میں محوِ خرام تھی
اس نے مجھ سے عومری اقرار کیا

اس کی آنکھوں میں اشک لرزاں تھے اور زباں پہ ہجر کے غموں کی فریاد تھی۔

زار زار روتے ہوئے اس نے اپنے زانوؤں پر دو تپھڑ مارے

اے دیوانے، نہ تم لوٹ کر آئے نہ کہیں پھرتے دکھائی دیئے

اگر تم آ جاؤ تو میں اپنی جان نذر کر دوں گی۔

یہ سر تمہارے قربان یہ چہرہ اور موتی جیسی آنکھیں تم پر نثار

میں تمہارے ہتھیار لحاف کے تہ میں ڈھانپ رکھوں گی۔

تیرے تازی گھوڑے کے لئے مشک میں پانی بھر کر لاؤں گی

میرے محبوب میں اب لوٹ کر نہیں آؤں گا، میرے لئے پیغام نہ بھیجا کرو

میں نے عمر کی طرح اپنا قول نبھا لیا ہے۔

میں اپنے قول کا سچا ہوں جیسے کہ دنیا نے دیکھ لیا

مست ایک سر پھرا ہے اس کی باتیں رہنے دو

آہ اس دل دیوانہ نے تو ہمیں عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے "

مست کی شاعری کے کئی پہلو ہیں۔ مختلف سمت اور کئی جہت ہیں اور کئی رنگ ہیں۔ اب ذرا مست کے بہاریہ شاعری کا انداز بھی دیکھئے۔

بہاریہ شاعری

قدیم فارسی شعراء کے ہاں یہ عام دستور تھا کہ وہ اپنے قصائد کی ابتداء عشقیہ یا بہاریہ اشعار سے کیا کرتے تھے اور اس کے بعد قصیدہ کی جانب گریز کرتے تھے۔ مست کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ کہ وہ بھی بسا اوقات اپنے منظومات کا آغاز بہار سے

اور ابر بہار کے تذکرہ سے کرتے ہیں۔ جن نظموں کی ابتداء ابر بہار کے حوالہ سے نہیں کرتے تو نظم کے درمیان میں ہی بادل برسات اور گھٹاؤں کا تذکرہ لے بیٹھتے ہیں۔ برشگال اور ابر بہار سے مست کی غیر معمولی دلچسپی غالباً اس واقعہ کے پس منظر میں پوشیدہ ہے جو مست کو آغاز شباب میں پیش آیا تھا۔ جبکہ اس نے سمو کو برستے ہوئے بادلوں میں بھیگتے ہوئے پہلی بار دیکھا تھا۔ اس رات کا رنگین تصور اس کے ذہنی افق پر اس طرح نقش ہو کر رہ گیا کہ اس کے اشعار میں غیر شعوری طور پر ابر بہار کا تذکرہ کسی نہ کسی طرح در آتا ہے۔

اس کے علاوہ گھنگور گھٹاؤں اور ابر و باران سے بلوچ شعراء کی دلچسپی کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ کہ قدیم بلوچ معاشرہ کلہ بانی اور زرعی معیشت سے وابستہ تھا اور ان کی آسودگی اور خوشحالی کا دارومدار بارش پر ہوا کرتا تھا۔ یہاں پر آب پاشی اور آبنوشی کا دارومدار فقط بارشوں پر تھا۔ بلوچستان کے اکثر و بیشتر دور دراز کے علاقوں میں آج بھی تقریباً یہی حال ہے۔ جب وقت پر بارشیں نہیں ہوتیں۔ ندی نالے سوکھ جاتے ہیں۔ چشمے اور حوض خشک ہو جاتے ہیں۔ فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ چراگاہوں کی گھاس سوکھ جاتی ہے۔ تو انسان حیوان، چرند اور پرند سب حیران اور پریشان ہو جاتے ہیں۔ ایسے موسم میں آسمان پر گھٹاؤں کا ظہور پیام عید سے کم نہیں ہوتا۔ اسی لئے مست جیسا محب وطن اور قوم پرست شاعر اپنے اشعار میں ابر و باران کا تذکرہ کرتے ہوئے تھکتا ہی نہیں۔

معاشی ضروریات کے علاوہ بھی بلوچ۔ اکثر و بیشتر پہاڑوں

اور صحراؤں میں بود و باش رکھتے ہیں۔ جہاں نہ آبشار ہیں نہ جوئبار، نہ سرسبز و شاداب وادیاں ہیں۔ نہ فصل گل و لالہ۔ یہاں موسم بہار میں بھی فصل بہار کے آثار و شواہد تقریباً ناپید ہوتے ہیں۔ سے دے کے فقط برشگال کا موسم ہی رہ جاتا ہے جو گھٹاؤں کے گھن گرج کی صورت میں بہار کا سرو سامان لے کر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساون کے بادلوں کو دیکھ کر صحرانشین بلوچ شاعر کے جذبات میں ایک طوفان بپا ہو جاتا ہے۔ جو شعر کی تخلیق کے لئے تحریک کا باعث بنتا ہے۔

بلوچی زبان کے رزمیہ شاعر رحمعلی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ جب آسمان پہ امنڈتے ہوئے بادلوں کو دیکھتا تھا تو اس پہ جذب و مستی کی ایسی جنون انگیز کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی کہ وہ اس عالم میں شعر و سخن کے دریا بہا دیا کرتا تھا۔ اور شعر کہتے کہتے بعض اوقات اس پر نیم مدہوشی یا غنودگی کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ ابر بہار شعر کے لئے سازگار ماحول پیدا کرتا ہے اور تخلیقی عمل کے لئے تحریک کا باعث بنتا ہے۔ جیسے کہ مرزا غالب نے کہا ہے:

ندائے شیوہ رحمت کہ در لباس بہار
بعذر خواہی رندان بادہ خوار آمد

باقی شعراء تو ایسے ماحول میں اپنی اپنی پسند کے موضوعات پہ طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ لیکن مست اور جوانسال بگٹی ایسے شاعر ہو گذرے ہیں۔ جنہوں نے ابر بہار اور موسم برشگال

کواہی عنوان بنا کر داد سخن دی ہے۔ مست کہتا ہے کہ۔

مدّیں بشام ءُ درکھفاں استیں اڑشراں
تزا زرے بنداں بارعنیں پھڑایاں جباں
بیاہیں گوُڑ بنت و بادرہ و سانگان ءُ جہاں
روضو ءَ شمس ئیغا پھقیر دُھبّایا شلاں
شف گروخ دُکّاں دیم کفناں تاہافیں دلاں
نیم شفاں ادہیل ءُ کھفاں بندیل لبتغاں
گواراں تور خان ءَ تفنسویں گڈّاں آف دیاں
مانڑکی شانک لوذ کوانٹی ءَ چھپر کھناں
گواراں ساو ءَ لوذ کھفاں کونجی ولقّراں

یعنی " ساون کا مہینہ ہے۔ غبار آلود فضاؤں میں بادل امنڈ آئے

ہیں
گھٹائیں سمندر سے اٹھی ہیں۔ کوندے لپک رہے ہیں
کالی گھٹائیں بادراہ اور سانگان پہ جھک پڑیں
شمس کے روضے اور فقیر دھبا کے مزار پہ نغمہ سرا ہیں
رات کی بجلیاں بے آب و گیاہ میدانوں کا رخ کریں
آدھی رات کو تھم تھم کر برسیں۔
تور خان کے پیاسے سبزوں کی تشنگی بجھائیں
مانڑکی پہاڑ کے دامن میں جھبڑی اونٹوں کی قطار کی مانند
رواں دواں رہے۔
ساؤ کے مقام پہ برستے ہوئے بادل کونجوں کے جھنڈ

کی طرح محو خرام ہوں "

مست ایک میلانی درویش تھا - وہ علاقہ کے کونے کونے سے واقف تھا - اسے معلوم تھا کہ کہاں کہاں کے لوگ خشک سالی کے باعث درماندہ و پریشان ہیں - اس لئے وہ بادلوں سے کہتا ہے کہ انہیں کہاں کہاں برسنا چاہیئے کہ بے مقصد برسنے سے بامقصد برسنا ہی بہتر ہے - مست کو انسان تو انسان ، جانوروں اور حیوانوں سے بھی بے انتہا محبت اور ہمدردی ہے اس لئے وہ گھٹاؤں سے کہتا ہے کہ وہ بلند و بالا پہاڑوں پر برس کر پہاڑی بکروں کے لئے پانی فراہم کریں - جو پیاس کی وجہ سے بیقرار ہیں اور بادلوں کی جانب پُر امید نگاہوں سے دیکھتے ہیں

کہتے ہیں، - سُتّی ءُ حمیذ ءُ زیرو زنار ءُ جُٹاں

بورناں دوست ئیغاں ہفوتی گروف ءُ کھناں
گوُرمہ گُڑ بنت وکوہ ءُ سانداں لگڑاں
بھنّرڑ ءُ گواراں آف دیاں دُردیم ءُ ریزاں
آف دیاں جٹیاں ءُ کھرڈ شاہیں پاشناں
سیمر ءُ کندھی ایں گرانڈ تھتی بیتغاں
تھکھنت دیلاں پہ سیتانی سیہلماں
تھنسواں وشکی مں انتی بندیں جھراں
دیذنت دگنداں پہ پٹیانی جہیزاں
نزونت منداں اژ دیئی کہنیں جو سراں
آف کھنت کہاں پہ شکاری اد کرستراں

مں بوان دگراں
بیدہی میذش تنگاں
کی گھن گرج ہے
سہو کے اتا متگاہ پر بادلوں
یعنی: بادلوں کی حریفانہ یورش ہے۔
محبوب کے جانے رہائش پر بادلوں کی حریفانہ یورش ہے۔
پھیل رہے ہیں۔
جمع ہو کر پہاڑ کے سایہ دار حصہ پر
(بادل) جمع ہو کر پہاڑ کے سایہ دار حصہ پر پھیل رہے ہیں۔
(بادل) اس ماہ رخ کے بکریوں کے لئے پانی
بجھنٹر پہاڑ پر برس کر
کا اہتمام کریں۔
والے بکروں کو پانی پلائیں
چلتال پہاڑ کے بڑی بڑی شاخوں
کوہساروں کے خوبصورت بھیڑ تشنہ کام ہیں۔
وہ بادلوں کو امیدوار نگاہوں سے دیکھتے رہتے ہیں۔
دشوار گذار پہاڑوں کے ہرن پیاس کی وجہ سے
رشحات ابر کی جانب دیکھا کرتے ہیں۔
وہ اپنے پرانے اور خشک حوض چھوڑ کر چشموں کی جانب
کبھی نہیں جاتے۔
(بادلو) شکاریوں اور کبوتروں کے لئے حوضوں کو لبریز کردو
تاکہ صحرائی جانور، بیابانوں اور پہاڑوں کے گڑھوں کا پانی پی سکیں"
اسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے ایک اور جگہ کہتے ہیں
کہ دریائے نیچی کا پانی نایاب ہو چکا ہے۔ اس لئے وہ بادلوں
سے التجا کرتا ہے۔ کہ وہ کھل کر برسیں تاکہ دریائے
نیچی میں طغیانی آئے

بانزراں بیڑاں کھورغ نیچی ءَ ایرکھفاں
دیرسوں نیچی نیم شفی بتی تردیفاں
گوں مڑورنزاں بوہنگ وہاگام اث کھوکھراں

یعنی "بادل سمٹ سمٹا کر ندی پر برسیں
دور دراز سے آنیوالے دریا میں نصف شب کو طوفانی
لہروں کا شور اٹھے۔
غبار آلود بادلوں سے گھن گرج کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں
توکلی مست بادلوں سے کھل کر برسنے کی توقع کرتا ہے۔
لیکن ساتھ ہی انہیں یہ ہدایت بھی دے دیتا ہے۔ کہ اس امر
کا خیال رکھیں کہ کہیں اس کے محبوب کے زلفوں کی خوشبو
نمی" سے متاثر نہ ہو؛

جاگوان پچار یزن کہ لواں بو آں نمب جناں
یعنی اس کی زلفوں کا خیال رہے مبادا زلفوں کی خوشبو نمی سے متاثر
ہو۔

مست برسات کا حسین منظر پیش کرتے ہوئے کہتا ہے:

کوہ ءُ بانور پیڑتو گِپتہ ملپداں
رندسیمنانی شراں چھو سمو درو شماں
چھو چراغ مورنت اژ سیمنانی نوسماں
جی پڑی آنی نیم شفی ورنتیں ترہگاں
آت کڑی آنی بانزراں نشغزڈ کھناں
لوذ مزور گارنت وگنوخ ءُ دمشء گھناں

یعنی "بارش کے بعد کا سماں سمو کے نقوش کی طرح دلآویز ہے
(یا) جیسے بہار میں سبزہ نورستہ کی دلکشی
نصف شب کو قطروں کے ترنم کی شیریں صدا کے کیا کہنے

خیموں کے کنارے پانی کے بہاؤ کا دلنشین آہنگ

بادل ضرور برسینگے اور دیوانے، کو خوش کریں گے

مست، بارش باران کے بعد زمین کی سوندھی سوندھی خوشبو، درختوں کی شادابی، فصلوں کی سیرابی اور دہقاں و کاشتکاروں کی خوشحالی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

مہراں قطارے بستہ مس دیر بازیں وہاں
دورو بازی ایں شنزتہ رَبّ رہ رحماں
ہر کہ دھشالیس گوں وتی کشت و کیلغاں
شنزتہ نوذاں سوزغ تاں سول پہ سجّلاں
زامری چیشر لرزاں مس ارگونیں گراں

لیعنی " دور دیس سے بادل قطار اندر قطار آ رہے ہیں
خوشحالی کا دور دورہ ہے اور رب کے رحمتوں کا نزول ہے
ہر شخص اپنے کاشت، باور فصل کے باعث خوش و خرم ہے
بارش کی پھوار سے دھل کر درخت ترو تازہ ہیں
زامر کی شاخیں پہاڑوں کی چٹانوں پہ لرزاں ہیں "

شاہ عبداللطیف بھٹائی نے بھی اسی مفہوم کو موضوع سخن بنایا ہے۔ جس کا منظوم اردو ترجمہ شیخ ایاز نے یوں کیا ہے۔

سیہ بادل فلک پہ چھا رہے ہیں
مسلسل رحمتیں برسا رہے ہیں
خس و خاشاک کے پژمردہ چہرے
ترو تازہ سے ہوتے جا رہے ہیں

مست کی شاعری کے کئی رنگ اور کئی پہلو ہیں۔ کئی سمت اور مختلف جہات ہیں اور ان سب کا احاطہ کرنا اس مختصر سے رسالے میں مشکل ہے۔ لیکن ہم اس کی ہمہ گیر شاعری کے بعض پہلوؤں کی نشاندہی کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

قاصد و پیامبر

محبوب تک عشاق کی براہِ راست رسائی مشکل ہے۔ اس لئے معشوق تک حال دل پہنچانے کے لئے شعراء نے ہمیشہ قاصد اور نامہ بر سے کام لیا ہے۔ حتیٰ کہ یہ موضوع ادب کے ایک مستقل عنوان کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اردو فارسی کے شعراء نے تو اس موضوع پر چمنستان ادب میں رنگ برنگ کے پھول کھلائے ہیں۔ اردو فارسی کے شعراء نے اس عنوان پر ایسے نازک خیالات پیش کئے ہیں کہ دوسری زبانوں کا ادب ان کا جواب پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مرزا غالب کی شوخی تحریر کا یہ عالم ہے کہ وہ قاصد کو خط دینے کے بعد جواب کا انتظار کئے بغیر ہی ایک اور مکتوب لکھ کر رکھ چھوڑتے ہیں کیونکہ بقول ان کے ؏

میں جانتا ہوں وہ جو لکھیں گے جواب میں

مرزا غالب کبھی محبوب تک پیغام پہنچانے کے لئے قاصد کے تلاش میں رہتے ہیں۔ لیکن جب قاصد میسر آجاتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے کہ قاصد اگر پیغام بھی دے تو کیونکر؟

چوں بہ قاصد بسپرم پیغام را
رشک نگذارد کہ گویم نام را

مرزا غالب نے قاصد کے حوالے سے عجیب فکر انگیز خیال باندھے ہیں۔ وہ اپنے مخلص رفیقوں سے صلاح مشورہ کے بعد ایک قابل اعتماد قاصد تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اسے نامہ و پیام دیکر محبوب کے ہاں بھیج دیتے ہیں لیکن اس کوچے میں پہنچنے کے بعد خط کا جواب لانا تو درکنار، قاصد خود بھی وہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ مرزا غالب مشورہ دینے والے ندیم سے طنزیہ انداز میں کہتے ہیں۔

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم
میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

معشوق کی جانب سے عاشق کے نام جو پیغام بھی ہوتا ہے۔ قاصد بیچارہ من و عن وہی پیغام عاشق تک پہنچا دیتا ہے جو ظاہر ہے کہ عاشق کی امیدوں اور توقعات کے مطابق نہیں ہوتا کیونکہ شاعر تو صرف نوید وصل ہی سننے کا آرزو مند ہے شاعر، قاصد کے اس رویہ کے ہاتھوں نالاں ہے۔ کہ یہ کس قسم کے قاصد اور پیغام رساں ہیں جو عاشق کی تسکین کے لئے اپنی جانب سے ہی ایک آدھ مرتبہ بھی اصل پیغام میں کوئی تصرف نہیں کرتے حالانکہ ایسا کرنا قرین مصلحت ہے۔

فغاں زیں قاصدان بے تصرف
زخود یکبار پیغامے نسازند

غرضیکہ اس موضوع پر اندازہ، فارسی شاعری کا دامن رنگینی تخیل کے گہر ہائے نایاب سے لبریز ہے۔

بلوچ شعراء نے بھی پیغام رسانی کے لئے قاصد کے روایت کو بحال رکھا ہے۔ عہد قدیم کے بلوچ شعراء ناخواندہ ہونے کے باعث خط وکتابت سے نا آشنا تھے۔ اس لئے انہوں نے پیغام رسانی کے لئے کبوتر، قمری، فاختہ وغیرہ سے جو اپنی سبک پروازی کے باعث شعراء کے پسندیدہ قاصد تھے۔ اس مقصد کے لئے پسند کیا۔ اس کے علاوہ بعض شعراء نے قدرتی عناصر مثلاً بادل، چشمک برق، قدرتی ہواؤں اور نسیم سحر سے بھی قاصد کا کام لیا ہے۔ شہ مرید حانی تک اپنا سلام و پیام پہنچانے کے لئے درمکہ کے سبز کبوتر کو قاصد کے فرائض سپرد کرتا ہے۔

جی کپوت سوزیں مکہ ءِ دربندیں کپوت
مکہ ءِ دربار ءَ کپوت مزباتاں مجن
نالگ و زنگاں پر منی بالاد ءَ مجن
سر پہ شیہاںؑ کشنگ مں پہ حانی ءَ
چاکری دوست ءُ مارشی ءِ لڈ و کیں گل ءَ
داد بیداراں چاکری امبازاں تھرے
تیر نیم کشاں چاکر ءِ باد کشاں تھرے
نیں مناں بہاث کہ چاکری کوٹ ءِ پہ شاں
کوٹ ءَ مں پہ شاں حانی ءُ دست ءُ مں گراں
پہ دگ ءَ سیری بارغیں چھپار گل ءَ بہاں

حانو ءَ اوداں بیئیت سری زرشان ءَ کھتاں
بارغیں ڈیل ءَ چھو قرآنی زیارت کھتاں

یعنی :

"اے سبز کبوتر، درکہ کا طائر
مکہ کے دربار میں نالہ وفریاد نہ کر
میرے حال زار پہ گریہ وزاری نہ کر
میں تو حانی کے جنون میں مبتلا ہو چکا ہوں
چاکر کے محل کے گل اندام نازنین کے لئے
(اس سے کہتا) یہ کیا ستم ہے کہ تو چاکر کے آغوش کی زینت ہے
بادگیروں والے محل میں محو استراحت ہے
افسوس میرا کوئی بھائی اور کوئی برادری نہیں۔
کہ میں چاکر کے محل پر حملہ کر کے حانی کا ہاتھ پکڑ لوں
اور اپنے حجلۂ عروسی میں لے جاؤں
جب ہم تو وہاں پہنچے تو اس پر سونا چاندی نچھاور کروں
اس کے حسین قامت کو قرآن کی طرح زیارت کروں

حانی کے نام شہ مرید کا یہ پیغام ایک طویل نظم پر مشتمل ہے
شہ مرید اپنے مخصوص حزنیہ لب و لہجہ اور سوگوار آہنگ میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے۔

چاکر ءَ پہناذی من ءَ کالارے جھتہ
ان ڈول رو بنداں شرمنی پلشت ءَ درشتہ
تاز ملیں تھماں حون ہلکان انت احروت ءَ

ٹھپ منی بازاں مہلماں گوں دراہ ءُ زہت
ٹھپ اوں پسر پوشاں گگباریں درّے کناں
ٹھپانی درماں جانئ ءَ پھلیں کندغاں

یعنی۔

"جاکر نے میرے پہلو میں خنجر گھونپ دیا
جو دل کو چیرتے ہوئے پہلو سے گذر گیا
میرے زخم تازہ ہیں ان سے خون کے فوارے چھوٹ رہے ہیں
میرے زخم زیادہ ہیں جو مرہم سے ٹھیک نہیں ہو سکتے۔
یہ زخم پنہاں ہیں جن سے درد کی ٹیسیں اٹھتی ہیں
ان زخموں کا علاج حانی کے نقرئی قہقہے ہیں"

قاصد اور نامہ بر کے ذریعہ پیغام رسانی کی اس روایت کو جام درک ملا فاضل توکلی مست اور دوسرے شعرائے متقدمین نے مزید آگے بڑھایا۔

ساون کی گھٹائیں اور چمکتی ہوئی بجلیاں، جام درک تک اس کے محبوب کا سلام و پیام پہنچا دینے کا کام سرانجام دیتی ہیں:

آنکھاں کھنداناں گروخ دوشی
کیمبوی ءَ ژا جلگہیں پارا
حال ءَ دوستاتی دا لغت ملا
ماگلی گناشتاں اود جان ءَ

یعنی

"رات بجلیاں مسکراتی ہوئی آئیں

دور دراز کی وادیوں سے
ہمیں دوستوں کا حال سنا گئیں
اور ہمارے بدن کو پھولوں کی سی آسودگی بخشیں"

ملا فاضل اور مست نے بھی کبوتر ہی کو پیغام رسانی کے لئے منتخب کیا اور قاصد کو مخاطب کرکے بڑی طویل اور معرکۃ الآرا نظمیں لکھی ہیں۔ ملا فاضل کہتے ہیں:

کرامگانی چاہی کپودر وشں زیملیں
سرو شیشار گردن و شہمیر بازلیں
چم تئی سہر و ملکش گردن مخملیں
آں سوسناکیں سنٹ ات ہمراز بلبلیں
مبلیں چینک انت تئی لونگ ہیرو چاپلیں
آپ چماں کنڈاں شکلیں روداں ہارلیں
بیا بنزیں درو ہتان و ببرو پیکامال ولین
اوداکر آہوگی تتارنت عین مالیں

یعنی

"اے خوش خرام اور خوشنوا کبوتر
خوبصورت سرا زنگیں گردن اور مضبوط پروں والا پرندہ
تیری آنکھیں لال اور گردن مخمل کی طرح نرم ہے
تیری منقار منقار بلبل کا راز دان ہے
تم خوشبودار مہلب، لونگ اور الائچی، چمکتے ہر
سیلاب کے پانی سے بھرے ہوئے گڑھوں کا شیریں پانی

پیتے ہو۔

آؤ اور آ کر میرے محبت بھرے سلام لیجاؤ

جہاں وہ آہوئے تتار اور مہ جبین بیٹھی ہے"

ملا فاضل کی یہ نظم کافی طویل ہے اور حسن بیان و معنی اور لطافت زبان و رنگینی خیال کا ایک حسین مرقع ہے۔

توکلی مست بھی سبز پرندے کو اپنا ہمدم و ہمراز خیال کر کے اس سے قاصد کا کام لیتا ہے۔ شاعر سب سے پہلے قاصد کو اپنی محبوبہ کی نشانیاں بتلاتا ہے۔ کہ اس کی آنکھوں میں لال ڈوریاں ہیں ستواں ناک ہے۔ اس کے خمیدہ ابرو ہیں اس کے کونج کی سی گردن میں طوق حمائل ہے اور سینے پر تعویذ آویزاں ہیں تاکہ قاصد کہیں غلطی سے پیغام، کسی اور حسینہ تک نہ پہنچا دے۔ شاعر کو قاصد کے خیریت سے واپس آنے کی بھی فکر لاحق ہے اس لئے وہ اسے تمنداروں کے ہتھکنڈوں سے بھی آگاہ کرتا ہے اور محبوب کے پاس پہنچنے کے آداب و رموز سے بھی واقف کرتا ہے اور آخر میں کہتا ہے کہ وہ اسے عاشق کے حالِ زار سے واقف کرے۔ شاعر نظم کے آخر میں اپنا تمام تر زور بیان عاشق کی ستم زدگی کے موضوع پر صرف کرتا ہے۔ یہ نظم جزئیات نگاری کا ایک نادر شاہکار ہے۔ کہتا ہے۔

بیاہے سوزیں مُرگ بھترا راباں لکھناں

امیر کھف اڑ ور نکابل زہیرانی نزاریاں

زیر سلامان و شل پر ءُ بچ و بیدیاں

گشک و پار الیش انت بہرتی چھانی لوار

شیتغیں پھونزے سل ءِ بروان آں آدار
کاٹکیں طوخے مانئیں مں کو نج ءِ گرڈوں ءَ
سے ہتھلیں تاویت ژنگاں مں دوست ءِ ڈوبہ ءَ
سِیکت مناں دوست ءِ چابکی تاوان ءَ دیاں
بروہموذا کہ نشتی ایں ہتہاذ مِں مژاں
شرحتر کھنِ ثذا تھگ ءُ دروہائیں مسڑداں
گند ئُواں یا سے ءَ تھرا گجاں گوں جاں
مَیں سلاماں بندوقّ ندّیں بانز راں -
بروہموذا کہ نشتی ایں بانک میڑواں
تھرے ئُلاّناں نندی مں چپیں پلوا
چینہ چپکیں تھ کنں د گوشانی ئُنا
تھاں دہی مرگ ءِ گپتہ چھے وَیلے ءَ تھرا
دیل مناں ہچی مں چھڑوئیں راباواں
زرُتھ او پیغام مں تھئی دوست ءِ انگھاں

یعنی

اے سبز پرندے آ کہ میں تجھے قاصد بنا کر بھیجوں
اونچے چٹان سے نیچے اتر آ، یہ آہ و فریاد چھوڑدے
میرے سلام و پیام لے کر صحرا اور بیابانوں سے سیلاب کی طرح گذر جا
میری محبوبہ کی یہ نشانیاں ہیں کہ اس کی آنکھوں میں لال ڈوریاں ہیں
ستواں ناک اور ملے ہوئے ابرو ہیں -
اس کے گردن میں خمیدہ طوق ہے

تین لڑوں والے تعویذ اس کے سینے پر آویزاں ہیں۔
شوقِ وصال، مجھے چابک کی طرح گرماتا ہے۔
تو وہاں چلا جا، جہاں وہ ماہتاب گردیں پنہاں ہے
عیار اور منافقوں سے محتاط رہنا۔
مبادا تجھے تیروں کا نشانہ بنائیں۔
میرے سلام اپنے بازوؤں میں گرہ کی طرح باندھ لے
وہاں پر جا، جہاں وہ ملکہ حسن محفل آرا ہے۔
خراماں خراماں اس کے بائیں کندھے پر بیٹھ جانا
تو وہ تجھے آہستہ سے پکڑ کر چادر کے پلو میں چھپا لے گی
اس کے عارض اور کانوں کے قریب چہچہاتا جا
(جب وہ پوچھے) تو کہاں کا پرندہ ہے؟ تجھ پر کیا مشکل آن پڑی ہے
(تو کہنا) مجھے کسی مصیبت کا سامنا نہیں میں تو قاصد بن کر آیا ہوں
تیرے دوست کے پیغام ہمراہ لایا ہوں
اور اس کے بعد قاصد، شاعر کی محبوبہ کو اس کا پیغام یوں سناتا ہے۔

ہاکھنے سموا سے دنیا جوانیا گوزہی
ہاکھن ار دوست مے دل رو بمبالاں مرزیۃ
عیناں بڑز آرسے ایر کھفاں سالانی ڈوہیہ
زرڈو ءُ دسہ آرسے ویذغانی مہر کُر ھزیہ
زیرءُ بمبالاں پُھنتے ریلی ایں پھقیسر

یعنی

"اگر تو ہاں کہدے تو زندگی پر سکون گذرے گی
میرے محبوب ہاں کہدو، میرے دل کے بدعائیں نہ لو
تم آنکھیں اوپر اٹھاتی ہو تو ہجر کے سالہا سال کے غم دور ہو جاتے ہیں
دل سے نہ چاہو تو کم از کم نظر کرم سے محروم نہ رکھو
ہمارے پاپ اٹھاؤ گے تو سیلانی فقیروں کی بد دعا لوگی"

سماجی زندگی کی عکاسی حقیقی شاعری سماجی اور معاشرتی زندگی کی عکاسی کا نام ہے یوں تو ہر شخص اپنے ماحول اور گردوپیش سے متاثر ہوتا ہے۔ لیکن شاعر معاشرہ کا حساس ترین فرد ہوتا ہے اور اپنے محسوسات کو شعر و سخن کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے

بلوچ شاعر صحرا بیابان اور کوہساروں میں گذر بسر کرتا ہے۔ ہر چند ایسے ماحول میں زندگی کی مروجہ سہولتیں اور آسائشیں میسر نہیں لیکن وہاں کی سادہ معصوم اور پاکیزہ ماحول میں اپنی ایک الگ دلکشی اور رعنائی ہے۔ جہاں شہروں کی سی رونق اور گرم بازاری تو نہیں لیکن وہاں کی سرزمین طمانیت قلب اور ابدی سکون کا گہوارہ ہے یہی وجہ ہے کہ شاعر اس پرسکون ماحول کو بے حد پسند کرتا ہے۔ جیسے کہ مست کہتا ہے۔

راج بلوچی پہ دستغا جوانیں
بڑز کوہستاں باغ و بازاریں

ریخ گل جھلا سوزو گلزاریں
ساۓ سرطوار ۓ حیرد آمانیں

بلوچی علاقے رہائش کے لئے خوب ہیں
کوہستان کے اوپر کا حصہ سرسبز و شاداب ہے
ریتیلے علاقے تمام آباد اور سیراب ہیں۔
سردار کے زیرِ سایہ امن و امان کا دور دورہ ہے"
ایک اور نظم میں کوہستانی علاقے کی خوشحال اور فارغ البال
زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وسفا جواناں راج بلوچانی کہسراں
مہراں قطارسے لبتہ من دیر پاندیں وہاں
دورباری ایں شنزۂ رب ہ رحمتاں
ہر کہ وہشالیں کول وتی کشت و کیلغاں
شنزۂ نوذاں سوزۂ تناں سول پہ سجلاں
زامری چیڑیر لڑزاں من ارگوئیں گراں

یعنی ،

" بلوچوں کے کوہستانی علاقے رہنے کے لئے خوب ہیں
دور دیس سے بادل قطار اندر قطار آرہے ہیں
خوشحالی کا دور دورہ ہے ۔ رب کی رحمتوں کا نزول ہے۔
ہر شخص اپنے کاشت اور فصل کے باعث شاداں و
فرحاں ہے۔

بارش برسنے کے بعد درخت تروتازہ ہیں۔
دامر کی شاخیں بلند پہاڑوں کی چٹانوں پہ لرزاں ہیں"
ایک اور جگہ پُر امن اور پرسکون، صحرائی زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

تشغت سرین کا نہلو گنجیں
گنگلو گوغائی لوائیاں
دور و باری آں عمراہی آں
گوروتی میراں سیر تبائیں آں
تھڈڑی سیر گنجیں سوادانی،
منجرا سریماں پوادائی"

یعنی:

"میں کاہاں جیسے سیراب جگہ پر رہائش پذیر ہوں
جو خوشحالی، شادکامی اور سرمستیوں کا گہوارہ ہے
جہاں سدا، فارغ البالی کا دور دورہ رہا ہے
میں اپنے سیر طبع میروں کے ہاں مقیم ہوں
تھڈڑی پہاڑ کے دلکش مناظر قابل دید ہیں
منجرا ندی کے سبزہ زار کیا ہی دلفریب ہیں"

نقل مکانی اور خانہ بدوشی بلوچوں کی معاشرتی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے موسم سرما میں جب خراسان اور اس سے متصل علاقوں میں ناقابل برداشت سردی پڑتی ہے اور موسمی حالات کا مقابلہ کرنے کے لوازمات موجود نہیں ہوتے۔ گھاس پھوس خشک ہو جانے

کے باعث مال مویشی کے لئے چارہ نہیں ملتا۔ تو بلوچ قبائل اپنا مال مویشی اور گھر کا سامان اونٹوں پہ لاد کر کاروانوں کی شکل میں گرم علاقوں کی طرف نقل مکانی کرتے ہیں اور سبی ڈھاڈر کچھی بلکہ لبا اوقات سندھ کے اندرونی علاقوں تک جا پہنچتے ہیں اور سردیوں میں وہاں قیام کے بعد آغاز بہار میں جب خراسان میں بارشیں شروع ہو جاتی ہیں۔ اور موسم خوشگوار ہو جاتا ہے تو قبائل کے لوگ کاروان در کاروان، وطن واپس لوٹ کر آتے ہیں اور اپنی زمینات کی دیکھ بھال میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ توکلی مست بلوچوں کے اسی خانہ بدوشانہ معاشرتی پہلو کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتا ہے۔

مے دل ءَ ہوسیں پہ شکارانی سیلہاں
بانگہے سیانی شکاراں پہ سبزاں
اش دریا ءَ مس شاں بھرا ڈکوئے دیاں
چھر کھنہ گلدا د کچا دا د کونتراں
سربرا دور مانڑیں جن ءِ جھونٹایاں وراں
پھول گندیکھے رنگ ءِ چھو سمو دروشماں

یعنی

ہمارے دل میں سیر و شکار کی ہوس ہے
ایک صبح میں سبزہ زاروں کی طرف شکار کے لئے تیار ہوا۔

دریا کے اس پار جانے کا ارادہ کیا

(دیکھا) اونٹوں کجاووں اور حسینوں کی قطار آ رہی ہے

کجاووں پر ناز پروردہ خواتین جھول رہی ہیں

دیکھو تو کسی کے خدو خال سمو سے ملتے ہیں

(آہ) ، سمو کا بدل ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتا

مست اپنی محبوبہ کے لئے ایک پرسکون اور پرفضا ماحول میں گزر بسر کرنے کا تمنائی ہے اس قسم کا خوشگوار ماحول جو ھیر کے رہنے والی حسیناؤں کو میسر تھا۔ ھیر کی حسیناؤں سے شاعر کی مراد گوہر بھی شاری شلی وغیرہ ہیں۔ جو بلوچوں کے رومانوی تاریخ میں غیر معمولی شہرت و اہمیت کے حامل تھے۔ جن کے جنگ جہانسوز نے بلوچوں کی تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا۔

مست اپنی محبوبہ کے لئے جس قسم کی جائے رہائش کا انتخاب کرتا ہے ، اس کی وہ یوں منظر کشی کرتا ہے۔

دوست جواں ئیں گوں بزگلی مرڈواں

بیئیتیں گوں دردیمیں ھیری آں

جوان ءَ تی ھست من گھوردنی کچھاں

ٹکئیں دوست مں گزدری بیشاں

مں ہراں دزلکانی بزیں سایاں

ہنڈکش شیرواریں رکوریاں

دمزونشرتیں زڑ دو آں سہاگیناں

بیکھاں تراپولی کئیں ہراں

شیئر جستیں ماخ وہا کھتیں ملماں

یعنی :

میرے محبوب کا بکریاں چرانے والوں کے پاس رہنا اچھا نہیں
اسے تو مہ جبیں مہیریوں کے پاس ہونا چاہیئے تھا۔
اس کی اقامت گاہ ندی کے کنارے کے کھیتوں میں ہوتی
وہ گز (لئی) کے درختوں کے جھنڈ میں محو خرام ہوتی
بلند و بالا پہاڑوں کے گھنے سائے تلے۔
جہاں گھوڑیوں کے شیر خوار بچے ہنہنایا کرتے
جہاں خوبصورت اونٹنیاں کلکاریاں کیا کرتیں۔
شام کے وقت اونٹنیوں کے بچھڑے کلیلیں کیا کرتے
(ایسے ماحول میں) ہم شعر کہتے اور فرشتے داد دیتے "

عہد قدیم میں بیرونی حملوں یا قبائلی جنگ و جدل اور کشت وخون کی صورت میں ہر قبیلہ کے لوگ دشمن کے حملوں کے خلاف جوابی کاروائی کے لئے، راتوں کو کسی محفوظ مقام پر اکٹھا ہوتے تھے اور مسلح نوجوان باری باری رات بھر پہرہ دیتے تاکہ دشمن کے شبخون کی صورت میں ساتھیوں کو خبردار کر کے مدافعتی کاروائی کی جائے۔ ایسے اجتماع کو بلوچی زبان میں میل " کہتے ہیں۔ مست ایک سیلانی درویش تھا۔ اس لئے دور دراز کے علاقوں میں سرگرم سفر رہتا تھا۔ لیکن جب اسے خبر ملتی ہے کہ اس کے وطن عزیز کاہان پر انگریزوں نے حملہ کیا ہے اہل قبیلہ سے دوری وطن سے غیر حاضری اور قبائلی "میل" میں عدم شمولیت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے۔

مارا مں وہاڈ ءَ آتکغت دودہ درمیاں
زیت کھن ڈگرڈ کہ گپتغنت کاہاں کافراں
مارا مں میلاں ہر دمے گیراراں مری
گیشتر دوست ؤ کمتر ءَ برات ؤ برادری
زحمی کا نبھوئے گارناں مستیں توکلی
گارناں مست ؤ گاراں ہمئ شیرانی رئی

یعنی
ہم نے دودہ (مندار مری) کو خواب میں دیکھا
اس نے کہا "فوراً کوٹ آڈ کرکا ہان پہ کافروں کا قبضہ ہوچکا ہے
ہمیں جنگی "میلوں" میں، مری ہر وقت یاد کرتے ہیں۔
زیادہ تر دوست احباب اور عزیز اقربا قدر سے کم
مست جو تلوار کا دھنی ہے کہاں کھو گیا ہے
نہ مست خود موجود ہے نہ اس کے اشعار کی روانی"

اس میں شک نہیں کہ توکلی مست ایک صلح کیش اور امن پسند انسان تھا۔ جنگ کے خلاف اس نے جو نعرہ لگایا وہ آج تک ضرب المثل کی طرح زبان زد خاص و عام ہے کہ۔

جواں ئینت جنگانی ہدیں بولی
گھے دتی بجائیں مڑدماں روی

بلوچی کے رزمیہ شاعر رحملی مری نے انگریز جارحیت کے خلاف لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ مست کی امن پسندی کے خلاف ایک نیا نعرہ وضع کیا کہ۔

بیرانی تمن ویران انت
نیست ءَ س شکلیں جنگاں انت

یعنی "امن دوست تمن تباہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ فائدہ صرف شیریں جنگوں میں ہے"

دراصل توکل مست بلوچ قبائل کی باہمی جنگ و جدل کے خلاف تھا۔ کیونکہ وہ رندو لاشار کی خانہ جنگی کے تباہ کن اثرات سے پوری طرح آگاہ تھا اس لئے اس نے بلوچوں کے خانہ جنگی کے پس منظر میں جنگ کے خلاف امن دوستی کا نعرہ بلند کیا۔ مست کے مذکورہ بالا اشعار سے واضح ہو گا۔ کہ وہ وطن کی مدافعت کے لئے بیرونی جارحیت کے خلاف لڑنے کا پرجوش عزم رکھتا ہے

بلوچستان سے باہر کے صوبوں میں بسنے والے بلوچ بھی اپنے روایات کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ اور ان روایات کی پاسداری کا خاص خیال رکھتے ہیں ان روایات میں مہمان نوازی سرفہرست ہے۔ مست، سندھ کے معززین اور ڈیرہ غازی خان کے سرداروں بالخصوص سردار امام بخش مزاری اور دوسرے معتبرین کی مہمان نوازی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مست عروشی مِتہ بانچہیں سندھا ایں
واتہ رو سلطانیں سرہ جتہ ایں
گور امام بخش و پوتروں رند ایں
ھمتراں دُور بانڑیں مزاری شغاں
درست من تعظیمان بلوچی آں

یعنی

مست آج کل باغستانِ سندھ میں ہے

وہ اپنے سلطان صفت شخصیت کا خود ہی مالک ہے

دیا ، وہ امام بخش (مزاری) کے ہاں ہے جو رندوں کی اولاد ہے

دیا ، مزاری قبیلہ کے معزز امام فارغ البال معتبرین کے ہاں ہے

جہاں بلوچی عزت و تعظیم کا جذبہ صحیح معنوں میں موجود ہے"

ڈرامائیت ڈرامائی انداز بیان قدیم بلوچی شاعری کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ عہد قدیم کی اکثر وبیشتر رومانی داستان منظوم ڈراموں پر مشتمل ہیں۔ جیسے حانی وشہ مرید، بیورغ وگراں ناز، شہداد و مہناز شیرین و دوستین ، لیلا مجنوں للہ وگراں ناز گوہر کے اونٹنیوں کی داستان وغیرہ

ان تمام منظومات میں ڈرامے کے اکثر وبیشتر اجزا جیسے پس منظر داستان کردار اور مکالمات وغیرہ موجود ہیں۔کرداروں کی زبانی مکالمات کے ذریعہ اظہار خیال چونکہ ابلاغ کا ایک کامیاب اور موثر ذریعہ ہے اس لئے بلوچ شعرا نے اپنی تخلیقات کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا ہے۔ توکلی مست کے ہاں بھی ڈرامائی انداز بیان کا عنصر موجود ہے مثلاً اپنی ایک نظم میں سب سے پہلے، خوشگوار موسم اور پُرکشش فضا کا منظر پیش کرتا ہے۔کہ کالی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں ۔ پرنم ہوائیں چل رہی ہیں ۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے

خراسان سے اٹھنے والے بادل چار سو پھیل گئے ہیں پکھ مکران سے لے کر میر نصیر خان کے محلات تک ابر کرم کی بارش ہے۔ ساون کے بادل کھل کر برسنے کا عزم رکھتے ہیں۔ برستے ہوئے بادلوں نے اپنا دائرہ سنی، سیوی، ڈھاڈرہ بولان شاہرگ اور لورالائی تک پھیلا دیا ہے، حتیٰ کہ بادل برستے برستے شاعر کے محبوب کے خیمے کو بھی اپنی آغوش میں لے لیتے ہیں اب سمو خیمے سے باہر نکل آتی ہے اور نہایت محزون انداز میں برکھا کے بادلوں سے یوں ہمکلام ہوتی ہے۔

سمو گوں مانذائیں دل ءَ نوذاں پھول ءَ کھاں
"شوا گنوخ نیئتہ پہ پوادانی تھپہ غاں
اے جراو داتہ تاہنی ہمبوئیں جبڑاں
چھرغا دیتیں کوہ سلیمان ءَ پنگراں
سپچھے ءَ سبھالئ کہ کشتہ تزا ڈیہہ والکباں
چھرغا اوذا پھولغا سمو درد شماں
جڑغا پھوذاں کاہنل و کا نکل ات تام

یعنی

"سمو حزیں لہجہ میں بادلوں سے پوچھتی ہے۔
"تم نے اس دیوانے کو کہیں علاقے میں گھومتے ہوئے دیکھا ہے"
عنبر آگیں بادلوں نے (زبان حال سے) جواب دیا
"ہاں ہم نے اسے کوہ سلیمان کے دشوار گذار راہوں میں چلتے دیکھا ہے
اب تم اسے کیا یاد کرتے ہو جبکہ تم نے اس کو دیس سے نکال دیا ہے۔

وہ وہاں بھی سمو کے خدوخال تلاش کرتا پھر رہا تھا۔
وہ بہت نحیف و زار دکھائی دیتا تھا۔"
اب مست بادلوں کے ذریعہ سمو کے نام یہ پیغام بھیجتا ہے
کہ -

نیں نیایاں و دوست منی پھیغاماں مخاں
اڑ تھئے بے سیتیں سلاماں دیرا گہان
بازتھئے لڈانی بھچڑا گاماں بیتغال
پھاڈاں نال بتہ یہ ڈغارانی جنزغال
چھم منی سھراں یہ شفانی گرذ وہار وہاں

یعنی
"اے میرے محبوب اب میں لوٹ کر نہیں آؤں گا میرے لئے پیغام نہ بھیجا کرو
میں مدتوں تیری کاروان کے پیچھے پا پیادہ پھرتا رہا
مسلسل سفر کے باعث میرے پیروں کے چھالے سوکھ کر سخت ہو گئے ہیں۔
متواتر بیخوابی کے باعث میری آنکھیں سرخ انگارہ بن گئی ہیں۔
بالآخر وہ فیصلہ کرتا ہے کہ سمو کی محبت کے بجائے وہ خدا کی یاد کو اپنے دل میں جگہ دے گا اور اپنی بقایا زندگی عبادت و ریاضت میں گزار دے گا۔ جیسے کہ اختتامیہ میں وہ کہتا ہے
نندں میں کوہ ءَ داراں شمشما ہی روشناں

واڑ نشتغیں سیتاں دالغیں دیمی توشغاں
مالک ءِ ذکر ءَ مس شف و روشی ءَ کھناں
زاریاں جو اناں کہ گناہاں معاف ءَ کھناں

یعنی

میں پہاڑ کے دامن میں بیٹھکر مسلسل چھ چھ ماہ تک روزے رکھوں گا۔

کھایا پیا اس جہان میں سود مند ہے (اور خدا کی راہ میں) دیا ہوا عاقبت کا توشہ ہے۔

میں رات دن مالک کا نام جپتا رہوں گا۔

اسکی بارگاہ میں زاری بہتر ہے شاید وہ ہمارے گناہ معاف کردے۔

اسی طرح ایک اور نظم میں سبز پرندے کو اپنا قاصد بنا کر سمو کے ہاں بھیجتا ہے۔ پھر اسے ہدایت کرتا ہے کہ صحراؤں اور بیابانوں سے سیل رواں کی مانند گذر جا اور میری محبوبہ تک میرے سلام و پیام پہنچا۔ پیامبر کے وہاں پہنچنے پر شاعر کی محبوبہ اس سے استفسار کرتی ہے کہ اے طائر خوشنوا تم کہاں سے آئے ہو اور کیوں پریشان اور مضمحل ہو۔ قاصد جواب میں کہتا ہے کہ میں ولایت لاہور سے آیا ہوں مجھے کسی قسم کی پریشانی لاحق نہیں ہے میں تو تیرے محبوب کے پیغام پیغام لے کر آیا ہوں اور پھر وہ مست کا پیغام من و عن سنا دیتا ہے کہ :

ماکھنے سمو اسے دنیائی جوانی ءُ گوزی
ماکھن او دوست مے دل ءِ بمبالاں مزیہ

زڑد عو دیرہ آے دیذ عانی مہرءُ مزیر
زیرءِ ہمبالاں پتّنت ءِ ربلی ایں پھقیر

یعنی

"اے محبوب مان بھی جاؤ ہمارے دل کے پاپ نہ ہو
دل سے نہ جا ہو تو کم از کم نظر عنایت سے تو محروم نہ رکھو
ہمارے پاپ اٹھاؤ گے تو سیلانی فقیر تمہیں بد دعا دینگے"

توکلی مست نہ تو ڈرامے کے فن سے واقف تھا۔
نہ ہی اس نے اس صنف کو اپنے خیالات کے ابلاغ کا ذریعہ بنایا
بلکہ اس نے اظہار خیال کے لئے جو طریقہ اختیار کرلیا اسی انداز
بیان نے خود بخود ڈرامے کی صورت اختیار کر لی ۔ مرزا غالب
نے کیا خوب کہا ہے کہ؛

ما بنودیم بدین مرتبہ راضی غالب
شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما

اسی طرح ڈرامائی انداز بیان، از خود توکلی مست کے اظہار
خیال کا وسیلہ بنا۔

مست ایک مرتبہ بھیس بدل کر اپنے محبوب کے ہاں مہمان
ٹھہرتا ہے۔ تا کہ کوئی اسے پہچان نہ سکے اور وہ موقع پا کر اپنے دل
کے بیتا بیوں کی داستان سنائے۔ "دیوانہ بکار خویش ہوشیار" کے مصداق
مست نے مہمان بننے کے لئے ایسا وقت منتخب کر لیا۔ جبکہ گھر پر کوئی
اور موجود نہ ہو۔ بسا اوقات جب مرد گھر پر موجود نہیں ہوتے تو خواتین
بھی مہمانوں کے لئے "تدّا" یعنی چٹائی لا کر بچھا دیتی ہیں،

چنانچہ سمو نے بھی ایسا ہی کیا ۔ لیکن مست کے اس غیر معمولی رویہ کو اسے دانستہ یا دانستہ طور پر بدنام کرنے کی کوشش پر محمول کیا اور مست کی جانب نہ صرف بے اعتنائی برتی بلکہ خشمگیں نگاہوں سے اپنی ناراضگی کا بھی اظہار کیا۔ مست پہلے ہی ایک مجذوب اور دیوانہ تھا۔ سمو کی بے اعتنائی نے اسے اور بھی متوحش کر دیا چنانچہ وہ تڈا چھوڑ کر روانہ ہوا ۔ اب سمو کے پریشان اور پشیمان ہونے کی باری تھی ۔ سمو کے سامنے بلوچی روایات کے توہین کا مسئلہ تھا کیونکہ مہمان کا میزبان کے ہاں سے کچھ کھائے پیئے بغیر چلا جانا ، میزبان کے فرائض مہمانداری میں کوتاہی دلیل تھی ۔ چنانچہ اس نے مست کو منانے اور واپس لانے کے لئے قاصد بھیجے ۔ لیکن مست کسی صورت بھی راضی نہ ہوا اور یہ ڈرامہ اس وقت اپنے عروج کو پہنچ جاتا ہے ۔ جب مست کو منانے کے لئے سمو خود پہنچ جاتی ہے ۔ اور اب " مہمانی " اور " میزبانی " کے مسائل پس منظر میں چلے جاتے ہیں ۔ اور سمو ایک بیوفا محبوب کی حیثیت سے اپنی بیوفائیوں کا اعتراف کر لیتی ہے ۔ اور مست کے ساتھ وفاداری بشرط استواری کا عہد باندھتی ہے اس نظم میں ڈرامائیٹ کا مکمل شکوہ موجود ہے ۔ غرضیکہ مست کی اکثر و بیشتر نظموں بالخصوص ان منظومات میں جن میں حادثات و واقعات کا ذکر ہے ڈرامائیت کا رنگ جھلکتا ہے

تاریخ و روایت ماضی حال اور مستقبل زندگی کے ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں ۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ منسلک اور

مربوط ہیں ۔ ماضی کو سمجھے بغیر اور اس کی خوبیوں اور خامیوں کا تجزیہ کئے بغیر ہم نہ تو حال کو کسی خوشگوار تبدیلی سے ہمکنار کر سکتے ہیں اور نہ ہی مستقبل کو اپنی امیدوں اور آرزوؤں کے مطابق سنوار سکتے ہیں ۔ ادب میں بھی تاریخ اور روایت سے اغماض نہیں برتا جا سکتا ۔ اس لیئے متقدمین نے ماضی کے ساتھ اپنا رشتہ استوار رکھا اور کلاسیکل شعراء کے مسلک سے بھرپور استفادہ کیا۔ مست بھی کلاسیکل ادب کے چشمہ شیریں سے فیض یاب ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے اشعار میں متقدمین شعرا کا نہایت عزت و احترام اور عقیدت مندی سے تذکرہ کرتے ہیں ۔ مست شہ مرید اور جام ڈُرک کو اپنا رہبر اور رہنما قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں ۔

مں نہ بھُلاں کہ عاشقاں رہ پیش داشتغاں
ڈرک ءَ کرمو او مرید ءَ سجینتغاں

یعنی ۔

میں راہ راست سے بھٹک نہیں سکتا اس لئے کہ عشاق صادق نے میری رہنمائی کی ہے ۔
کرمو کے بیٹے ڈُرک اور شہ مرید نے مجھے فیض پہنچایا ہے"

ایک اور جگہ شہ مرید سے اپنی عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔

یاتیں ۔ اللہ مرشدءَ کھیت مے داہرا
شہ مرید گوانکھ ءَ کھیت مے صحو دیگیا

یعنی

ہم خدا کو یاد رکھتے ہیں، مرشد ہماری مدد کو آئے گا
شہ مرید ہماری صدا پر صبح و شام پہنچا کرے گا

شہ مرید حانی کا شیدائی تھا اور مست سمو کا سودائی۔ شہ مرید سے اپنی مماثلت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

زار ہاں میں آں وث رس رو برانی مرید
من پہ سمی چھوتھہ پہ حانی ءَ زہیر

یعنی

اے صحرانورد مرید میری فریاد کو پہنچ
جیسے تم حانی کے شیدائی ہو ویسے میں بھی سمی کے لئے بیقرار ہوں"

متقدمین میں سے شہ مرید کے بعد، توکلی مست کے نزدیک، بیورغ رند کا مقام بحیثیت شاعر بے حد بلند ہے جیسے کہ کہتا ہے

شیر ہوا نہاں کہ رنگریں بیورغ ءَ جھتاں

یعنی۔

اشعار تو وہ ہیں جو بیورغ کر گیا ہے۔

مست، جام درک کے رنگینئ تخیل اور انداز بیان کا بے حد دلدادہ تھا۔ جام درک کے متعلق مست کا قول ہے کہ "شاعر ہے تو جام باقی سب ناکام" اسی طرح جام درک کے ساتھ اپنا تقابل کرتے ہوئے اس کی شاعری کو "شعلہ جوالہ" اور اپنی شاعری کو دھواں قرار دیتا ہے۔

مست نے اپنے منظومات میں بلوچوں کی مجلسی زندگی، روایات اور ضابطہ اخلاق کے متعلق لطیف اشارات کئے ہیں۔

"دیوان" بلوچوں کے مجلسی اور سماجی زندگی کی ایک اہم اور منفرد

علامت ہے۔ جسے بلوچوں نے ایک قومی ادارہ یا انسٹی ٹیوٹ کی طرح زندہ رکھا ہے۔ بلوچی دیوان، اس نشست یا مجلس کو کہا جاتا ہے جس میں مثالی نظم و ضبط، متانت اور سنجیدگی سے سیاسی اور سماجی معاملات پر غور و خوض کیا جاتا ہے۔ دیوان میں شعر و سخن اور موسیقی کی محفلیں بھی برپا کی جاتی ہیں۔ توکلی مست، بلوچوں کے عظیم رہنما میر چاکر کے عہد میں منعقد ہونے والے مثالی دیوان کو بابرکت دیوان قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

برکتی دیوان چاکر ءَ میرین ءَ گھشان

یعنی۔

میر چاکر بابرکت دیوان منعقد کیا کرتے تھے

اسی طرح سخاوت، شجاعت اور قول کی پابندی، بلوچوں کی مثبت روایات کے بنیادی عوامل ہیں۔ سخاوت کے اعتبار سے سخی نوذ بندغ جسے زرزوال یعنی دولت لٹانے والا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مشہور تاریخی شخصیت ہو گذرا ہے۔ شاعر اس کے حوالہ سے کہتا ہے کہ

داذ ہو اہنہاں کہ زر زوال ءَ بنگ ءَ گھشاں

یعنی:

داد و دہش تو وہ تھا جو زر زوال یعنی سخی نوذ بندغ کر گیا "

قول کی پاسداری اور ایفائے عہد کے لئے عومر جام کا نام غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ قول کی پابندی کے ضمن میں کہتا ہے کہ

قول ہوا ہناں کہ عومر و جام ءَ پالتاں:

یعنی قول کی پابندی تو عومر اور جام کر گئے

ایقلی نے عہد کے سلسلے میں عومر کے ساتھ اپنا تقابل کرتے ہوئے کہتا ہے۔

مں وتی قولاں عومری سچیار بتیغاں
بتیغاں سچیار چھو جہاتی ءَ دتیغاں

یعنی ،

میں عومر کی طرح اپنے قول کا سچا ثابت ہوا
ایسا سچا کہ سب دنیا نے دیکھ لیا ہے

شجاعت اور دلیری کے ضمن میں بالاچ گورگیژ جسے گوریلا جنگ کا بانی خیال کیا جاتا ہے۔ کا نام زبان زد خاص و عام ہے بالاچ کے متعلق روایت ہے کہ وہ متواتر کئی سال تک سخی سرور کے دربار میں جاروب کشی کرتا رہا۔ اس نے یہ عہد کر رکھا تھا۔ کہ جب تک سخی سرور خواب میں آ کر بشارت نہیں دے گا۔ کہ اسے ہر لحاظ پر کامیابی ہو گی۔ وہ وہاں نہیں جائے گا۔ چنانچہ کافی عرصہ خدمتگزاری کے بعد بالآخر اسے بشارت ہوئی کہ وہ جہاں بھی جائے گا۔ فتح و کامرانی اس کے قدم چومے گی۔ چنانچہ مست بالاچ کے عہد کے پس منظر میں کہتا ہے کہ :

سرورءِ دربارءِ ضرورواہی ءُ روال
سرورءِ دربارءِ منہ نیشتیں عاشقاں
من بذیں گرڈاں چھو جلیغ ئی جنگانی کواں
جاڑمتی جلیغا چھو جاڑتے بالاچ ءِ کواں

یعنی :

میں سخی سرور کے دربار میں ضرور فریاد لے کر جاؤں گا۔
سرور کے بارگاہ میں عشاق کے لئے کوئی ممانعت نہیں ہے
میں اس وقت لوٹوں گا۔ جب میرا کمان زہ ہو جائے
میرا کمان بھی اسی طرح زہ کر دے جیسے بالاچ کا کمان"
رندو لاشار کا جنگ سی سالہ! ایک ایسا المیہ ہے۔ جس نے
بلوچوں کا شیرازہ حیات بکھیر کر رکھ دیا۔ مست اسی عبرتناک تاریخی
جنگ کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں جنگ کے تباہ کن نتائج و عواقب
سے یوں آگاہ کرتا ہے۔

نوذ گوارنت و آف کھنت بنداں
پھُرز بجار ءَ گرُدغ ءَ ہنداں
چاکرءِ لڈانی بھیذو رنداں
میر ژاعلاں بادشاہی آں
بھیلتہ براتی بجیڑو جنگاں
کپتہ مں زندانیں غم وبنداں

یعنی:

بادل برس کر بندات کو سیراب کریں
اُس جگہ کے بندات کو) جہاں سے بجار پُھرز لوٹ آیاتھا
میر چاکر کے قافلے کے نقوش قدم پر بادل برسیں
میر چاکر جسے بادشاہی محلات سے
خانہ جنگیوں نے نکال باہر کیا
اور وہ غموں کے زندان کا اسیر ہو گیا "

غرضیکہ مست نے شاعری کی حدتک تاریخ و روایت کا رشتہ استوار رکھا۔

جزئیات نگاری اس میں شبہ نہیں کہ اختصار فصاحت و بلاغت کی جان ہے۔ لیکن کسی قصہ کا تفصیلی بیان اور اس کی تمام تر جزئیات کا احاطہ کرنا جداگانہ فن کی حیثیت رکھتا ہے۔

بلوچی شاعری کی ابتدا رزمیہ شاعری سے ہوئی۔ جس میں واقعات کو داستان کے رنگ میں بیان کیا جاتا تھا۔ اس لئے قدمانے عشقیہ شاعری میں بھی داستان کا انداز بیان اختیار کیا اور متاخرین نے بھی اسی انداز کو اپنایا۔ اس کے علاوہ بلوچ معاشرہ میں چونکہ "تفصیل حال حوال" کا رسم صدیوں سے جاری و ساری ہے اس لئے بھی داستان سرائی کو بلوچی ادبیات میں خاصا دخل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلوچی شعراء کو جزئیات نگاری میں کمال کا دسترس رہا ہے۔ اور یہی حال توکلی مست کا ہے۔ مست بھی جزئیات نگاری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے

مست نے سندھ میں دوران سیر و سیاحت پہلی مرتبہ ریل گاڑی کو دیکھا وہ اس کی یوں منظر کشی کرتا ہے:۔

جی خدا قدرت و کمالانی
دیثہ مادھو دُھوئے دھمالانی
قدرتی رنگ ءَ بارشانی

اے پچھے اسبابان قیل و قالانی
گلگاں دوہنو آں شمالانی
ژل گراناں کھے کسویں نالاں
دھم دھماناں کھے بازرنی بالاں
اربڈاناں کھے سالوزٹی سیراں
سرشاناں کھے تانہی نوزاں

یعنی ، خدا کی کمال قدرت کے کیا کہنے
ہم نے ایک ، دیوپیکر کو رقص کرتے ہوئے دیکھا
بادشاہوں کے کمال حکمت کا نمونہ
عقل و دانش نے کیا کیا اسباب پیدا کئے ہیں
اس کے اعضا سے شعلہ آمیز دھواں اٹھ رہا ہے
صیقل شدہ نعل پر پھسلتا ہوا آرہا ہے ۔
شہ زور بازوؤں کے بل اٹھا چلا آرہا ہے
ساون کے سیلاب کی طرح امنڈتا ہوا آرہا ہے
بڑھتے ہوئے بادلوں کی مانند بڑھتا چلا جا رہا ہے

اسی طرح جب وہ پہلی بار سمو کو دیکھ کر اس کی تیز نگاہ سے بسمل ہو جاتا ہے ۔ تو وہ ایک طویل نظم میں اس واقعہ کی تمام تر جزئیات بیان کرتا ہے کہ کس طرح وہ سفر پر روانہ ہوئے اور کیوں کر سمو کے ہاں مہمان ٹھہرے ۔ رات کو بارش شروع ہو گئی اور سمو کا گیدان ہوا کے طوفان سے ڈگمگانے لگا ۔ سمو خواب سے بیدار ہوتی ہے ۔ اور خیمے کی طنابیں کھینچنے لگتی ہے اتنے

میں بجلی چمکتی ہے اور مست کی نگاہ اتفاقاً سمو پر پڑ جاتی ہے۔ اور سمو کی نظر اس کے خرمن ہوش و حواس پر بجلی بن کر گر جاتی ہے اور اسے مست و بیخود بنا دیتی ہے۔ مست نے اس واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ نہایت فنکارانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ جس کا تذکرہ ابتدا میں کیا جا چکا ہے۔

ایک غزل مسلسل میں محبوب کی تعریف میں تمثیل تشبیہ اور استعارات کا انبار لگا دیتا ہے۔ جیسے کہ کہتا ہے۔

دل منی موش ءَ کھاں رلی آنی
شاھراں سینگھاریں تری آنی
ہینڑی چھو وانگاں تھلوخیناں
بھٹی چھو سرواناں ترہو خیناں
زواریں چھو مہری آں روو خیناں
دیجی چھو شہنایاں دھمو خیناں
لانٹ ءَ کھاں پھرایاں گرو خیناں
جلتھ جنی آں شہم گرو خیناں
دراہ ءَ کفت مرکھی آں مرخیناں
دست ءَ گیر تھ بالی آں گوزو خیناں
ہوش ءَ کھاں بیہوشاں گنو خیناں
ترند ءَ کھاں رلی آں پھرو خیناں
آسکاں نرم ءَ کھاں ترہو خیناں

یعنی

میرے موجی مونہہ میں، جذبات کا طوفان بپا ہے
شاعر اپنے محبوب کی تعریف میں نغمہ سرا ہیں
وہ جلا دینے والے اژدہا کی طرح پھنکارتی ہے
رمیدہ آہو کی طرح دور بھاگتی ہے۔
ناقہ سیار کی طرح تند رو ہے
شہنائی کے صدا کی طرح، خوش آہنگ ہے۔
برق آسا نگاہوں سے جلوے بکھیرتی ہے
اس کے ہاتھ میں مہندی کا رنگ شعلے کی طرح دمکتا ہے
مرنے والے بیماروں کو تندرست بنا دیتی ہے۔
اڑنے والے طائروں کو ہاتھوں سے پکڑ لیتی ہے
بیہوش اور دیوانوں کو ہوش میں لاتی ہے"

وطن دوستی

غرضیکہ مست کو جزئیات نگاری کے فن میں کمال کا دسترس حاصل ہے۔ بلوچی زبان کی ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ "ڈائے وطن حشکیں دار" یعنی وطن کی خشک ٹہنی پر بھی نثار اس ضرب المثل سے ظاہر ہے کہ وطن کی محبت بلوچوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ ایک شاعر اور مفکر چونکہ سماج کے حساس ترین طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے وطن دوستی کے معاملے میں بھی دوسروں کے مقابلے میں اس کا احساس شدید تر ہوتا ہے۔ یہی حال ہمارے مجذوب شاعر توکلی مست کا ہے۔ جسے دیار وطن کے

ذرے ذرے سے محبت ہے ۔ وہ اپنے اشعار میں وطن عزیز کے بلند و بالا پہاڑوں ، یہاں کے صحرا اور بیابانوں پُر پیچ رہگذاروں بے آب و گیاہ میدانوں اور وسیع و عریض رہگزاروں کے شیریں نغمے گاتا ہے ۔ اسے یہاں کے قافلوں ، کاروانوں ، یہاں کی جھگیوں اور گھرانوں، کھیتوں اور کھلیانوں سے بے انتہا محبت تھی۔ اس لئے وہ انہی کے تذکروں پر مشتمل گیت الاپتا ہے ۔

موجودہ دور میں وطن کو عنوان بنا کر اشعار کہے جاتے ہیں۔ لیکن قدیم شعرا کے ہاں وطن دوستی کے اظہار کے لئے وطن کو براہ راست خطاب نہیں کیا جاتا تھا

مست کی وطن دوستی کا یہ حال تھا کہ جب وہ سندھ کے صحراؤں اور بیابانوں میں سرگرم سفر تھا تو بلوچی " حال حوال " کے ذریعے اسے یہ خبر ملتی ہے کہ اس کے وطن عزیز پر انگریزوں نے حملہ کر کے علاقہ پر قبضہ کر لیا ہے تو وہ بے حد پریشاں ہو جاتا ہے ۔ اور صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے بیتاب ہو کر کہتا ہے ۔ کہ

کس نئے کوہ ءَ کہ دلی احوالے گراں
حال کھایاں کہ بیڑہ کاہاں کافراں

یعنی :

کوہستان سے کوئی نہیں آتا کہ صحیح حال معلوم کر سکوں
افواہیں ہیں کہ کاہاں کے گرد کافروں نے گھیرا ڈال رکھا ہے

اس کی پریشانی کا یہ عالم ہے کہ اسے خواب میں بھی یہ خیال آتا ہے کہ تمندار مری اس سے وطن واپس لوٹنے کی درخواست کر رہا

ہے۔ اسے یہ خیال بری طرح ستاتا ہے کہ مصیبت کے وقت اس کے دوست احباب، عزیز و اقارب اور اہل وطن کی لازماً یہ خواہش ہوگی کہ مست ان کے درمیان موجود ہو۔ چنانچہ یہ خیالات خواب بنکر اسے وطن واپس لوٹنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ جیسے کہ کہتا ہے۔

مارا مں وہاو ءَ آخنتغنت دودہ درمیان
زیت کھن و گرڈر کہ گپتغنت کاہاں کافراں
مارا مں میلاں مہر دے گِراراں مری
زحمی کا نمھوسٹے گارناں سیتیں توکلی
گارناں مست وگاراں تحئی شیرانی رلی

یعنی۔

ہم نے دودہ (تمندار مری) کو خواب میں دیکھا
واسنے کہا) جلد لوٹ آؤ کہ کاہاں پر کافروں نے قبضہ کر لیا ہے
ہمیں جنگی میلوں میں مری اکثر یاد کرتے ہیں۔
کہ توکلی مست جو تلوار کا دھنی ہے کہاں غائب ہو گیا
نہ مست ہے نہ اس کے اشعار کی روانی''

کاہاں میں قیام کے دوران، وطن کی خوشحالی اور فارغ البالی دیکھ کر بے حد خوش ہوتا ہے۔ جیسے کہ کہتا ہے:

تشتغنت سریں کاہلو گنجیں
گنگلو گو غائی لوائیاں
دورو باری آں عمر اہی آں
گوں وتی میراں سیر طمائیں ناں

چھرکاں ماسند ءِ دہ ءِ دیئیں
تھڈری سیر گنجیں سوادائی
منجھرا سرسیاں پرادانی

یعنی:

میں شادو آباد کاہان میں قیام پذیر ہوں
(جہاں) خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ ہے
(جہاں) سدا شادمانی میسر ہے۔
(یہاں کے) امرا سیر طبع ہیں
پھرتے پھراتے ہم نے ماوند کا علاقہ دیکھا
تھڈری کا سرسبز پہاڑ دیکھنے کے لائق ہے
منجھرا ندی دور دراز کے علاقوں تک پھیلا ہوا ہے"

ہرچند مست ایک درویش منش اور مجذوب انسان تھا۔ لیکن وہ اشعار میں برملا سمو کا نام لیا کرتا تھا۔ جو روایات کے خلاف ہے اس لئے سمو کا خاوند اور اس کے عزیز و اقارب علاقے میں مست کی موجودگی کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ بعض دوستوں کے مشورے پر مست کو کوہلو کا علاقہ چھوڑ کر سندھ جانا پڑا تا کہ یہ قضیہ ٹھنڈا پڑ جائے۔ مست کو سمو کی جدائی کا اتنا غم نہیں جتنا وطن سے جدائی کا دکھ ہے۔

کہتا ہے۔

شمیری (مارا) کھوتو الغی بیتہ
مارا مس سندھ ءَ رلغی بیتہ
لاری گوں گز ءَ منگنی بیتہ

دیم پہ سندھ ءَ کپچاں بیتہ

یعنی "

امسال ہمیں کوہلو چھوڑ دینا پڑا

ہمیں سندھ میں در بدر پھرنا پڑا

بندوق گز کے درختوں کی شاخوں سے لٹکانا پڑا

ہمارا رخ سندھ کے بے پناہ وسعتوں کی جانب ہے"

خانہ بدوشی اور نقل مکانی بلوچوں کی سماجی زندگی کا جزو لاینفک ہے مست جب بھی موسم سرا میں سندھ کی جانب نقل مکانی کیا کرتے تھے۔ لیکن ہمارا شاعر فطرتاً شاعر وہاں جاکر وطن واپس آنے کے لئے بیتاب ہو جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ موسم جلد بدل جائے تاکہ وہ بھی کونجوں کی قطار کے ہمراہ وطن واپس لوٹے۔ نقل مکانی کے سلسلے میں کونجوں کا بھی یہی حال ہے کہ موسم سرما میں گرم علاقوں کا رخ کرتے ہیں اور موسم بدلنے کے ساتھ ہی قطار اندر قطار واپس لوٹتے ہیں مست بھی کونجوں کے قافلے کے ہمراہ سیبی واپس جانے کی آرزو رکھتا ہے۔ جہاں سے مست اور کونجوں کے راستے جدا ہو جاتے ہیں مست سمو کو دیکھنے کے لئے یہیں ٹھہر جاتا ہے اور کونجوں کا قافلہ خراسان کی جانب روانہ ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں۔

بیئے ہوان روشں کہ موسم ءَ وازِ گرڈا کھناں

رب ءَ سنبھالاں بیئے منی گوانکھ ءَ درمیاں

کونج ژا سندھ ءَ بیایاں ولدائیں موسماں

گرڈ تھغاں کونج مں دے نیں واز گرڈے کھناں

آنکوکوں گونجی ولھرئے سنگت بیئغاں .

کونجاں قطاریں مس دے گوں قطارءَ رواں
کونج پہ بالامس پرءَ بچھاذ دگام ءَ تاں
کونج خراسان ءَ مں پہ سیوی ءَ تاہراں
دل منی مانذائیں پرءَ ءَ سمو مجلساں

یعنی۔

خدا کرے کہ وہ دن آئے جب موسم بدل جاتے ہیں۔
میں خدا کو یاد کرتا ہوں کہ وہ میری دعا سنے
کونج موسم بدلنے پر سندھ سے روانہ ہوں
کونج واپس جا رہے ہیں میں بھی (وطن) لوٹوں گا
میں کونجوں کے ایک قافلے کے ہمراہ ہو لیا
کونج قطار اندر قطار جا رہے ہیں میں بھی اس قطار کے ساتھ چلوں گا۔
کونج محو پرواز ہیں اور میں پا پیادہ
کونج خراسان جا رہے ہیں میں تو سیوی میں ٹھہر جاؤں گا
میرا دل سمو کی محفل کے لئے بے حد اداس ہے"

وسیع پیمانے پر نقل مکانی کے باعث علاقہ کے بہت سے مقامات ویران اور اجاڑ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ شاعران غیر آباد مقامات کے مکینوں کی دوبارہ وہاں آباد ہونے کی آرزو کرتا ہے۔ تاکہ علاقے کی رونقیں از سرنو بحال ہو جائیں۔ مالدار لوگ پہاڑوں کے سبزہ زاروں پر بھیڑ بکریاں چرائیں اور کاشتکار زرخیز میدانوں میں فصل اگائیں۔ کہتے ہیں

دوست ڑا دیریں اکھاں ریایاں

ہلک رءِ مس اولی کوہ گیناں نندان
بانہڑءِ اولی بوزناں سہاراں
میش اود کوہاں سرا توران
زرّت رءِ روفی بنت اود تلاّس

یعنی :

دوست دور دراز کے علاقوں سے واپس آئیں
اپنے پرانے جگہوں پر ڈیرے ڈالیں
اور وہیں پر اقامت کریں
بھیڑیں پہاڑوں پر میں کرتی پھریں۔
اور جوار کی فصل درو کے قابل ہو جائے،،

بلوچستان کی بے آب و گیاہ سرزمین جہاں نہ دریا ہیں نہ نہریں آبپاشی کے ذرائع نہایت محدود ہیں۔ کاشت اور برداشت کے علاوہ پینے کے پانی کا انحصار بھی بارش پر ہے۔ ساون کے مہینے میں بھی جب علاقے میں بارشیں نہیں ہوتیں تو خشک سالی کی وجہ سے صرف انسان ہی پریشان اور آزردہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ چرند پرند اور دوسرے جانور بھی مصائب و آلام کا شکار ہوتے ہیں توکلی مست ملک کی اس اہم اور بنیادی ضرورت سے پوری طرح آگاہ ہے وہ جب ساون کی گھٹاؤں کو دیکھتا ہے تو وہ ان سے وطن کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک کھل کر برسنے کی التماس کرتا ہے۔ اس کی یہ تمنا ہے کہ ابر رحمت وطن کے ہر ذرے پر چھا جائے اور ذرے ذرے پر برسے ساون کے بادل پرکھ ... مکران پر برسیں، خراسان سے لے کر درہ بولان تک اور بولان سے لیکر سیوی کے ریگستانوں، برنائی اور

شاہرگ کی وادیوں اور ڈکی اور لورالائی کے میدانوں کو سیراب کریں۔ جیسے کہ کہتا ہے۔

نوذ ژا ابر سیلیں حراسان ءَ سہران
منتاں میں عرض ءَ بنداں ژا کیچ و مکراں
میر نصیر خان ءَ بتہریں محلاں ساکھاں
گواراں سنی ءَ مہشریں سیوی ءَ رشاں
اسپلنجی ءَ دیر بنیں ریتجاں آف کھناں
ڈھاڈر ا نا زیناں اود بولان ءَ گوزاں
ناکس ءَ ڈیہہ ءَ شاہرگ ءَ گرندو گرڈکھاں
داں دمے گونڈیں بورءِ ءِ دیا تا ہراں

یعنی:

بادل خراسان سے اٹھیں
میری عرض سنیں تو کیچ اور مکران پر چھا جائیں
میر نصیر خان کے بلند و بالا محلات پر سایہ فگن ہوں۔
سنی کے علاقے پر برسنے کے بعد سیوی پہنچ جائیں
اسپلنجی کے دور دراز کے ریتلے علاقوں کو سیراب کریں
ڈھاڈر اور بولان کے اوپر سے برستے ہوئے گزر جائیں
ناکس اور شاہرگ کے علاقے پر گرجیں
اور کچھ دیر کے لئے بوری (لورالائی) پر رکیں
انسان تو درکنار، مست کو وطن عزیز کے حیوانوں کی تکلیف کا بھی شدید
احساس ہے وہ برکھا کے بادلوں سے کہتا ہے کہ اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہلے

ہرن امید افزا نگاہوں سے بادلوں کی جانب دیکھتے رہتے ہیں کہ وہ کب برس کر ان کی حسرت پوری کریں گے۔ کہتا ہے:

تھنسوانت وشکی مں اشی بندیں ھمبراں
ویذنت وگنداں پہ پڑیانی جیھنراں
نرونت منداں تڑا وتی کہنیں جوسراں
آف کھنت کمباں پہ شکاری وکونتراں

یعنی "اونچے پہاڑوں پر پیاسے ہرن
دیکھتے رہتے ہیں کہ کب بارش کی چھینٹیں پڑیں
وہ اپنے خشک شدہ (پہاڑی حوض) چھوڑ کر چشموں پر نہیں جاتے
شکاریوں، کبوتروں وغیرہ کے لئے پہاڑی گڑھوں کو پانی سے بھر ڈالو"
اسی طرح ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:

سیمرڑ کنڈھائیں گرانڈ تھنی بیتغاں
جکھنت دہیلاں پہ سیّنانی سیلہاں

یعنی،

پہاڑ کے ٹیڑھی سینگوں والے بھیڑ پیاسے ہیں
وہ پُر امید نگاہوں سے بادلوں کی جانب دیکھتے ہیں"
بارش کے بعد ملک کی سیرابی اور خوشحالی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے

کہ:

مہراں قطارے بستہ مں ویر پاذیں وہاں
دور و باری ایں شنزتہ رَب ہر رحمتاں
ہر کہ وھشالیں گوں وتی کشت وکیلغاں

ٹنئر تہ نوذاں سوز ءُ تاں سول پہ سجّلاں
زامری چیڑ لرڑزاں بہ ارگوئیں گراں

یعنی :

دور دراز کے علاقوں تک ابرِکرم کی بارش ہے
خوشحالی کا دور دورہ ہے کیونکہ رب کی رحمتیں نازل ہوئی ہیں
ہر شخص اپنے کاشت اور فصلوں کے باعث شادکام ہے۔
بارش کے باعث درخت سرسبز اور ہرے ہیں
زامر کی شاخیں پہاڑوں کی چٹانوں پر لرزاں ہیں
شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ نے بھی بارش کے بعد کاشتکاروں اور کسانوں کے احساسات کی یوں ترجمانی ہے کہ

سیہ بادل فلک پر چھا رہے ہیں
مسلسل رحمتیں برسا رہے ہیں
خس و خاشاک کے پژمردہ چہرے
ترو تازہ سے ہوتے جا رہے ہیں
لطیف اس ذاتِ باری کے کرم سے
یہ دہقاں زندگی سی پا رہے ہیں

امن پسندی مست ایک امن دوست اور صلح جو انسان تھا۔ اسے جنگ و جدل لڑائی جھگڑے اور کشت و خون سے بے حد نفرت تھی مست کا یہ شعر:

جواں نیست جنگانی بدیں بولی

کھے وتی جوائیں مڑداں زوری

یعنی : جنگ و جدل کی بیہودہ باتیں اچھی نہیں

کون اپنے پیاروں کو دربدر دیکھ سکتا ہے۔

ضرب المثل کی طرح زبان زدخاص و عام ہے۔ مست نے یہ شعار اس وقت کہے۔ جب کہ ایک مرتبہ میر کرم خان مقدم بجارانی نے علاقہ کے لوگوں کو اطلاع بھیجی کہ مخالف قبیلہ سے جنگ چھڑ گئی ہے۔ اس لئے لوگ خبردار رہیں۔ اور اپنے تحفظ اور دفاع کا انتظام کریں۔ اس اطلاع کے ملتے ہی علاقہ کی پُرامن اور پرسکون زندگی درہم برہم ہو گئی۔ اور لوگ اپنے مال مویشی اور بال بچے لے کر محفوظ مقامات کی طرف چلے گئے۔ علاقہ ویران اور سنسان ہو گیا۔ بستیاں تباہ و برباد ہو گئیں۔ مالدار لوگ مویشیوں کے لئے چارے کی تلاش میں ادھر ادھر مارے مارے پھرتے رہے مست پر قبائلی جنگوں کی تباہ کاریوں کا شدید رد عمل ہوا۔ چنانچہ وہ اس واقعہ کی تمام تفصیلات بیان کرتے ہوئے جنگ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ مست دوبارہ امن بحال ہونے کی آرزو کرتا ہے۔ کہ لوگ واپس آکر اپنے اپنے گھروں کو آباد کریں اور علاقہ کی رونق از سرنو بحال ہو سکے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

یا خدا رکھ تزا تاعماں شراں

بانگھے شراں تاعمانیستاں

تاعمانی ءُ کشتغیں زحماں

ہو کلو رستہ من شعف ءُ یم ءُ

آرٹھڈ ڈاہ ءَ شراہ برکھم ءَ دیما
ننگ و جنگانی واژہ و خان ءَ
قاشندے ششتانتہ سرزم تخاں
لڈتہ راجاں درّ کھیلو برّیں
کھور مرنج ءِ مس موسماں شریں
سُتّکے لالیں بانڈو ءِ ماتاں
جواں نینت جنگانی بدیں برلی
کھے دتّی جوائیں مرڈماں زولی
دوست ثرا دیریں آکھاں بیایاں
بلک ءِ مس اولی یودناں تندال
باہنڑ رعو اولی یو ذناں ساراں
میش اود کوہانی سرا لیوراں
زرّت رہ روفی بنت مس تلاں

یعنی :

اے خدا ناگہانی آفات سے بچاتا
سحرگاہ کے اچانک برپا ہونے والے فسادات سے
(اور) خلاف توقع نیام سے نکلنے والی تلواروں کی آفت سے
نصف شب کو غلغلہ بلند ہوا
بارکھان کی جانب سے یہ (جنگ چھڑ جانے کی) اطلاع
پہنچی ہے۔
ننگ و ناموس کے پاسبان

میر کرم خان نے قاصد کے ذریعہ رجنگ کی اخبر بھجوائی ہے
قبائل نے نقل مکانی کر لی دُر بھگلو کا علاقہ ویران ہو گیا
مرنج ندی کی اس وقت کیا شان تھی
جہاں سمو کا حسین گھر واقع تھا
جنگ کی بیہودہ باتیں اچھی نہیں۔
کون اپنے پیاروں کی دربدری پسند کرتا ہے۔
اکاش کہ اعزیز اقارب دور دراز کے علاقوں سے واپس لوٹیں
اپنے پرانے مسکنوں میں آکر قیام کریں
اپنے چھوڑے ہوئے گھروں کو از سرِ نو آباد کریں
بھیڑیں پہاڑوں پر عشناق پھریں
تل دامن میں جوار کی فصلوں کا موسم دو شروع ہو جائے"

مست ایک صلح کیش انسان تھا لیکن قبائلی سماج میں قبیلہ کے رسم و رواج اور روایات کی پابندی لازمی امر ہے۔ ایک مرتبہ مری اور بگٹی قبائل کے درمیان چنجھڑی کے مقام پر معرکہ آرائی ہوئی۔ دونوں قبیلوں کے بہادر نوجوان میدانِ جنگ میں جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ مست بھی روایتی انداز میں اپنے قبیلہ کی حمایت میں ہتھیار باندھ کر میدانِ جنگ میں جانے کے لئے ہراول دستہ میں شامل ہو گیا۔ اس کا بھائی علی یا علنڑ بھی ہمراہ تھا۔ مست میدانِ جنگ میں اترا۔ یہ اس کے لئے نیا تجربہ تھا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ ایک ہی رنگ ایک ہی نسل اور ایک ہی تمدن کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کے قتل پر آمادہ ہے۔ اس ہنگامہ دار و گیر اور معرکہ کشت و خون میں وہ کسی

اور کو تو شرکت سے روک نہ سکتا تھا۔ البتہ اس جنگ میں شمولیت کو وہ اپنی ضمیر کے خلاف سمجھا چنانچہ وہ لوگوں کی طعن و تشنیع سے بے نیاز ہو کر میدان جنگ چھوڑ کر روانہ ہوا۔ مست کے علاوہ اگر کوئی شخص میدان جنگ چھوڑنے کے جرم کا مرتکب ہوتا۔ تو قبائل کے عوام لعنت و ملامت کے تیروں سے اس کا دل و دماغ چھلنی کر دیتے۔ لیکن مست ایک درویش خدا مست تھے اس لئے کسی نے اس سے تعرض نہ کیا۔ مست کا بھائی علنتڑ اس معرکے میں کام آیا جس کا اسے بے حد دکھ ہوا کہ کاش وہ خود بھی اس معرکے سے بچ کر نہ آتا تو اچھا تھا۔ کیونکہ بھائی کے فراق میں زندہ رہ جانے سے موت بہتر ہوتی۔ اس تمام واقعہ کو شاعر نے خود یوں بیان کیا ہے

چنجڑی روش ءَ گوں سری مڑداں گونءَ تتاں
ماں دو دمیءَ بیڑتہ زرکاں پوتراں
ساکھتہ آخر سرمنی رزمشیتیں لسڑاں
یہ برے کھار کھنڈغءَ گیشیت زرہ بڑاں
علنتڑءُ اشتوں بھنڈی رنداں گرتھغاں
مں دل ءَ وھشّاں کر بھپدا باری ءَ کھناں
چھو نہ زانتوں کو زیادہیں شونازے کھناں

مست کو ایک تو جنگ سے طبعی نفرت تھی اس پر جنگ کا عملی تجربہ چنانچہ اس نے جنگ کے خلاف نعرہ بلند کیا کہ:

مجواں نیننت جنگانی بدیں بولی "

یعنی،

"جنگ کی باتیں ناپسندیدہ ہیں" چنانچہ یہ نعرہ عوام میں بے حد

مقبول ہوا۔ بلوچی زبان کے رزمیہ شاعر رحمعلی مری نے جب مست کے امن پسندی کے نعرے کی مقبولیت اور اس کے اثرات کا جائزہ لیا تو اس نے محسوس کیا کہ اگر اس نعرے کے مضمرات کو عملی زندگی میں بھی اپنایا گیا تو بلوچوں کے روایتی جنگجوئی کا جذبہ ختم ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ اس نے اس کے جواب میں ایک نیا نعرہ وضع کیا کہ

حیرانی ئمن ویران انت۔ سیتئے من شکلیں جنگاں انت

یعنی "

امن دوست قبائل غنیمت و نابود ہو جاتے ہیں "

شیریں جنگوں ہی میں ہمارا مفاد پوشیدہ ہے "!

رحمعلی کا نعرہ نظیری کے اس خیال سے کہ؛

گریزد از صفِ ماہر کہ مرد غوغا نیست

کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلہ ما نیست

ہم آہنگ ہے۔ رحمعلی کے جنگ آزمائی کا نعرہ چونکہ قبائل کے عمومی مزاج کے مطابق تھا۔ اس لئے یہ نعرہ بلوچوں میں بے حد مقبول ہوا۔ جدوجہد آزادی کے سلسلے میں اس نعرے کی مقبولیت کو بے حد فروغ ہوا۔ بلاشبہ رحمعلی مری کا نظریہ " جنگ دوستی " بے پناہ قومی اہمیت کا حامل ہے لیکن مست کے نظریہ کی آفاقیت اور ابدی سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ آج ایٹمی دور میں تو اس نظریہ کی اہمیت اور ضرورت بہت بڑھ چکی ہے۔ واضح رہے کہ مست کی امن پسندی کا مطلب یہ نہیں تھا۔ کہ وہ بیرونی جارحیت کے خلاف لڑنے کی بجائے امن دوستی کی تعلیم دیتا ہے کیونکہ جب ۱۸۴۰ء میں انگریزوں نے

مری علاقہ پر حملہ کیا تو انگریزوں کے خلاف اپنے شوق جہاد کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

مارام میلاں ہردمے گیراراں مری
زحمی کانبھوئے گارناں سستیں توکلی

مست دراصل قبائل کے باہمی نزاع اور خانہ جنگی کا شدید مخالف تھا۔ وہ چاکر اور میر گوہرام کے جنگ و جدل کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے

میرڑا محلاں بادشاہی آں
کھٹیلتہ براتی جھیڑو جنگاں
کپتہ مس نندائیں غمِ زنداں

یعنی،

میر (چاکر) کو شاہی محلات سے
خانہ جنگی ہی نے نکال باہر کیا
اور وہ غموں کے زندان کا اسیر ہو گیا

مست طبعاً ہر قسم کی دراز دستی، جبر و تشدد اور ظلم و بے انصافی کے خلاف شدید جذبہ رکھتا ہے وہ اپنے اشعار میں یزیدیت کے خلاف حسینیت کی حمایت میں یوں نعرہ بلند کرتا ہے کہ

مے جنگ ایں گوں حونی آں حسین ئیغاں
گوناں گوں توُلی ءَ امام ئیغا

یعنی،

حسین رضؓ کے قاتلوں کے خلاف ہمارا جنگ جاری رہے گا

میں امام کی جماعت کا حامی و مددگار ہوں"
غرضیکہ مست ملک و وطن میں امن و سکون کی ایسی فضا پیدا کرنا چاہتا تھا
جہاں عوام خوشحال اور پرسکون زندگی بسر کر سکیں

جغرافیائی ماحول

مست ایک سیلانی درویش تھا اس کا بیشتر وقت سیر و سیاحت میں گذرتا تھا۔ وہ جہاں بھی جاتا اپنے اشعار میں اس جگہ کے پہاڑوں اور دریاؤں اور ندی نالوں کا تذکرہ ضرور کرتا۔ اس کے کلام میں ہمیں دریاؤں اور ندی نالوں میں سے دریائے بیجی، برلان ندی مرنج کھور اور کانگڑھی ندی کا تذکرہ متعدد بار ملتا ہے۔ مست کو کوہستانی علاقوں کے سیر و سفر کا بھی بے حد شوق تھا۔ مرستان کے بلند و بالا چوٹیوں کے حسین مناظر کی سیر اس کا محبوب ترین مشغلہ تھا مست کے اشعار میں بلوچستان کے پہاڑ اور پہاڑیوں کے اس قدر زیادہ نام آتے ہیں کہ بلوچی زبان کے تمام شعراء کے مجموعی کلام میں بھی ان پہاڑوں کے عشر عشیر کا تذکرہ نہیں مل سکتا۔ جن مقامی پہاڑوں کا نام مست کے اشعار میں آتا ہے ان میں سے رسترانی، بابنور، زین، جاندراہ، کوہ سلیمان، کوہ پیھو تھدڑی کیتڑی کوہ، ڈانسٹر، چیپر راسو یا راس کوہ، مڑونگان، زرونگھنٹر کوہ جاندرانڑ وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ یہ نشاندہی کرنا کہ یہ پہاڑ کہاں واقع ہیں۔ اور کس کس سلسلہ کوہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جغرافیہ دانوں کے لئے دلچسپ موضوع ہوگا۔

مست نے صرف ان پہاڑوں کے تذکرہ ہی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ان پہاڑوں میں پائے جانے والے شکاری جانوروں کے ساتھ ساتھ

پرندوں اور ان پہاڑوں پر اگنے والے درختوں کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے۔ جیسے کبیر، لیمو، زامُر، انجیر، کھول میر روزن وغیرہ مست کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے صرف بلوچستان کے مختلف حصوں کی سیر و سیاحت نہیں بلکہ سندھ اور ڈیرہ غازیخان سے گذر کر لاہور اور دہلی تک سفر کیا۔ انہوں نے جن علاقوں کا اپنے اشعار میں تذکرہ کیا ان میں سے اسپلینجی ڈھاڈر، مشکاف، بلان ناکس شاہرگ، سیوی، بورو (لورالائی) ماوند، بادراہ، منجھرا، پواد، مخارڈ سنگ سیلا، چیپھڑی، بارکھان، کچھی، مکران، سیوستان، چوٹی ڈیرہ غازیخان، ملتان، لاہور وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں مست نے اپنے اشعار میں خاک وطن کے متعدد مقامات کا تذکرہ کر کے اس سرزمین سے اپنی محبت کا اظہار کیا اور وطن دوستی کی نئی اور قابل تقلید مثال قائم کی ہے۔

دوسرا معاشقہ مست سمو کا ایسا دیوانہ اور شیدائی تھا کہ کوئی شخص یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ سمو کے علاوہ کسی اور حسینہ کی جانب بھی ملتفت ہو سکتا ہے۔ لیکن سمو کی مسلسل بے نیازی اور بے مہری نے مست کا دل توڑ کر رکھ دیا۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ مست کو کچھی کے علاقے میں کافی عرصہ کسی متمول رند خاندان کے قریب رہنے کا اتفاق ہوا۔ جہاں اس کی نگاہ انتخاب نے سمو کا بدل تلاش کر لیا۔ اس حسینہ کے ساتھ مست کی محبت کا نہال بار آور ہونے کے قریب تھا کہ اچانک مست پر سمو کی محبت کے جنون کا ایسا دورہ پڑا کہ

وہ اپنی حرکت بے جا پر سخت نادم ہوا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دوبارہ عازم دشت پیمائی ہوا۔ یوں تو یہ واقعہ زباں زد خاص و عام ہے۔ لیکن مست نے خود بھی اپنے اشعار میں اس واقعہ کی جانب اشارات کئے ہیں۔ جیسے کہ کہتا ہے۔

چھریں داں کا چھونٔ ءَ گیا فین ءَ
شہ کہیری ءِ باغچیں کھوراں
کو چھو رءِ بازار ءِ ردو خداں
رندی دَور مانڑیں بلکے دیثہ
آف داں سالے ءَ شریکھ بیثہ
مہر دو کھورانی ہار اوار بیثہ
مار ءَ شاہا ثرا آف رواں کشتہ
جند ثرا عیواں بے میار بیثہ

یعنی؛
کچھی کے شاداب علاقوں تک میری آمدورفت ہے
کہیری قبیلہ کے نہروں سے سیراب ہونیوالے، اراضیات تک
کچھی کے بازار کے قرب وجوار میں
ہم نے ایک رند خاندان کو دیکھا
سال بھر ہم ایک دوسرے کے ہمسایہ رہے
طرفین کے (جذبات کا) سیلاب بڑھتا رہا
قدرت نے ہمیں طوفان کے بہاؤ سے بچا لیا
اور ہمارا وجود عیوب سے پاک رہا

تصوف ، علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ، صوفیانہ شاعری کے عنوان کے تحت شعرالعجم حصہ پنجم کے صفحہ ۸۲ پر رقمطراز ہیں کہ سب سے پہلے صوفیانہ خیالات حضرت ابوسعید ابوالخیر نے ادا کئے۔ وہ شیخ بوعلی سینا کے معاصر تھے۔ آگے چل کر علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ سلطان ابوسعید ابوالخیر کے بعد حکیم سنائی نے اس باغ کی آبیاری کی۔ وہ ابتداء میں قصیدہ گو تھے اور شاعری میں ان کی زبان صاف ہو چکی تھی۔ اور چونکہ دل قابل تھا۔ اس لئے ایک مجذوب کے ایک طنزیہ فقرہ نے دنیا سے انکو دفعتاً بیزار کر دیا اور وہ سب کچھ چھوڑ کر صوفی بن گئے"

حکیم سنائی کے بعد حضرت خواجہ فریدالدین عطار، شیخ سعدی، حافظ مولانا جامی اور مولانا روم نے اس صنف سخن کا دائرہ نہایت وسیع کر دیا۔

تصوف سے کیا مراد ہے اور صوفی کسے کہتے ہیں۔ تاریخ فلاسفۃ الاسلام کے مصنف " محی الدین بن العربی" کے ذیلی عنوان " تصوف پر ایک عام بحث " کے تحت لکھتے ہیں کہ " علم تصوف کی ابتدا اور ترقی تیسرے دور یعنی دور عباسیہ میں ہوئی۔ اس کا اصل الاصول کثرت عبادت خدائے تعالےٰ کی جانب انہماک، دنیاوی زیب و زینت ، لذت، کمال و جاہ سے احتراز اور خلق سے پہلوتہی کر کے خود کو عبادت کے لئے وقف کر دینا ہے " مصنف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ " لفظ تصوف یا لفظ صوفیا کی اصلیت میں علماء اسلام کو اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ صفا یا صفہ سے مشتق ہے اور دوسروں کا خیال کچھ اور ہے۔ ابن خلدون کہتا ہے۔ کہ اس لفظ کا صدف سے اشتقاق اہل تصوف کے صوف پہننے

کے لحاظ سے قرین قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن ہم اس کی اس توجیہ کو غلط سمجھتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ یونانی کلمہ "تھیوصوفیا" سے مشتق ہے جس کے معنی حکمت الٰہی ہیں۔ صوفی وہ حکیم ہے جو حکمت الٰہی کا طالب ہوتا ہے اور اس کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ صوفی یا متصوف کی غایت حقیقت الٰہی تک پہنچنا ہوتی ہے۔ مصنف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ تمام علماء صوفی کی اس تعریف پر متفق ہیں۔

کہ صوفی وہ شخص ہے جس نے خدا سے محبت کی اور اس کا طالب ہوا۔
اور دنیا سے اعراض کیا اور زہد اختیار کیا۔

دراصل فطرت نے انسانی جبلت میں حواس خمسہ کے علاوہ ایک جداگانہ باطنی حس بھی ودیعت کر رکھا ہے جو ظاہری حواس سے بلند اور ارفع واقع ہوا ہے حواس خمسہ سے ماورا اس باطنی حس کا مولانا روم نے مثنوی میں یوں تذکرہ کیا ہے کہ

پنج حسے ہست و جز ایں پنج حس - آں زر سرخ ایں حس ہا چوں مس

یعنی حواس خمسہ کے علاوہ ایک اور حس بھی موجود ہے، وہ حس زر سرخ کے مانند ہے۔ اور اس کے مقابلے میں باقی حس پیتل کی مانند ہیں۔

اس غیر معمولی اور حواس سے ماوراء حاسہ کا نام روح یا روحانیت ہے۔ اسی حس کی نشوونما اور بالیدگی ہی حاصل زیست اور مآل زندگی ہے۔ اہل تصوف کے نزدیک روحانیت کا مطلب، نظر، عبادت و ریاضت کے ذریعہ قلب و نظر کو ایک ایسے سانچے میں ڈھالنے کا نام ہے کہ خیر انسان کی طبیعت پر اسقدر غالب آجاتا ہے۔ کہ اس کے ہر فعل اور عمل سے، بلا قصد و ارادہ خیر ہی خیر سرزد

ہو جاتا ہے اور شر کا عنصر اس طرح دب کر رہ جاتا ہے کہ انسان شر کی جانب مائل ہو ہی نہیں سکتا۔ روحانیت کے اس بلند مقام تک رسائی کے لئے صوفیائے کرام نے کثرت عبادت، ریاضت اور مجاہدہ و مکاشفہ کو اپنا مسلک قرار دیا ہے۔

قدیم فارسی شعرا نے غزل میں صوفیانہ خیالات کے اظہار کی ابتدا ہی نہیں کی۔ بلکہ اس رنگ کو انتہا تک پہنچا دیا۔ فارسی شعرا نے صوفیانہ خیالات کے اظہار کے لئے عام مروجہ الفاظ کو نئے معانی کا جامہ پہنایا اور یوں ذو معنی الفاظ کا ایک جدید فرہنگ مرتب کر لیا جیسے پیر مغان، ساقی، میکدہ جام سبو، صراحی دُردِ صاف وغیرہ اور ان الفاظ کے پردے میں تصوف کے معارف و اسرار بیان کئے۔ تصوف کے راہ، فلسفہ بھی شعر و شاعری میں در آیا اور تصوف کے مسائل پر فلسفیانہ انداز میں اظہار خیال کیا جانے لگا۔ لیکن بلوچ شعرا فلسفہ کے بھول بھلیوں سے ناآشنا تھے۔ اس لئے وہ صوفیانہ خیالات کا اظہار بھی نہایت سیدھے سادھے اور سپاٹ انداز میں کیا کرتے تھے۔

بلوچ شعرا اسلام سے اپنی بے پناہ عقیدت کے باعث، رزمیہ اشعار قومی گیتوں اور عشقیہ نظموں کی ابتدا عموماً حمد باری، نعت رسول اور مدح صحابہ سے کیا کرتے تھے۔

بلوچی "حب نسب" کی نظم بلوچی کی قدیم ترین نظم خیال کی جاتی ہے۔ یہ نظم بلوچوں کی حلب سے مجبوراً ہجرت، ایران میں قیام اور وہاں سے مکران کی جانب کوچ کی داستان پر مشتمل ہے اس

نظم کی ابتدا بھی حمد باری، نعت رسول اور مدح صحابہ سے ہوتی ہے۔
جیسے کہ شاعر کہتا ہے۔

شکر الحمد ءَ گذاراں بادشاہ ملک ءِ وتیں
تھی جہاں ہاخ دگل ءَ بی ایکؔ کوشتی ایوکیں
ما مریدوں یا علی ءِ دین دایماں ثیبتیں
امتوں پاکیں نوی ءِ کہ جہانؔ ءِ وارثیں

یعنی:

میں خدا کا شکر گذار اور ثنا خواں جو کائنات کا بادشاہ ہے
باقی دنیا خاک وخاکستر بن کر رہ جائے گی (لیکن) وہ تنہا قائم دائم رہے گا۔

ہم حضرت علی کے مرید ہیں ہمارا دین اور ایمان مستحکم ہے
ہم پاک نبی کی امت ہیں جو کونین کا آقا ہے"

اسی طرح ملا عمر جنگ گمبذ کے رزمیہ داستان کی ابتدا حمد ایزد اور نعت رسول سے کرتے ہیں کہ

سوا ہاں یا تنوں ستار۔ محمد مصطفےٰ دیندار
سخی و مومن و سپچیار۔ خدا ایکیں وتیں ڈاتار
حماواں بازاں تھیءَ رزوار۔ گریو دگڑ نغ ءِ پردڑ
محمدؐ مرسلاں افسر۔ ہواں وخت ءَ مناں پکر
مناں مس قیامت ءَ درَبر

لیعنی:
رسحرگاہ میں خدائے ستار کو یاد کرتا ہوں

اور محمدؐ مصطفےٰ کو جو دین کو استحکام بخشنے والا ہے

جو سخی، مومن اور سچا ہے۔

خدا ایک ہے اور وہی دینے والا ہے

اس کے کارندے لاتعداد ہیں

اس نے چاروں جانب مخلوق پیدا کی

ہر جاندار تیرا دیا ہوا رزق کھاتا ہے

تو غریب اور بھوکوں کا پالنے والا ہے

محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کا سرتاج ہے

اس وقت میری مدد فرمانا

مجھے قیامت کے روز بچانا

بلوچ شعرا میں سے ملک الشعرا جام درک، ملا فاضل تو کلی ست اور جوانسال بگٹی نے اس روایت کو مزید آگے بڑھایا اور تصوف کے مختلف، عنوانات مثلاً ذات باری، صفات الٰہی، حقیقت روح معراج کا بیان، محبت اہل بیت، فقر و غنا صبر و رضا، فنا و بقا سزا و جزا،، جبر و اختیار، حشر و نشر اور وحدت الوجود جیسے مسائل کو بھی موضوع سخن بنایا

متاخرین سے جوانسال بگٹی نے تبلیغ دین اور تصوف کی جانب سب سے زیادہ توجہ دی اور نہایت لطیف انداز میں صوفیانہ خیالات کا اظہار کیا جیسے کہتا ہے۔

تھی قدرتاں بروش وشعف گندغایاں

تھیُ جندءُ نہ گنداں کہ چھاں لیٹایاں

یعنی: "میں تیری قدرت کے مظاہر دن رات دیکھتا رہتا ہوں۔
لیکن تیری ذات پاک نہیں دیکھ سکتا کیونکہ میری بصارت کمزور ہے۔

توکلی مست بھی منازل تصوف کے سالکان راہ میں سے تھے۔ ان کا زیادہ تر وقت سیر و سیاحت میں گذرتا تھا یا عبادت و ریاضت میں۔ وہ کوہستان مری کے بلند و بالا پہاڑوں کے خاموش اور پر سکون غاروں میں بیٹھ کر ذکر و فکر اور یاد الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے اور اطمینان قلب کے ساتھ ساتھ روحانی منازل طے کیا کرتے تھے۔ جیسے کہ وہ خود کہتے ہیں؛

ننداں من کوہ ءَ داراں ششماہی روشغاں
واڑغقیں سیتاں داتغیں دیمی توشغاں
مالک ءِ ذکر ءَ من شف و روشئی کھاں
زاریاں جواناں کہ گناہاں ماف ءَ کھاں

یعنی؛

میں پہاڑ میں بیٹھ کر ششماہی روزے رکھونگا
کھایا پیا (ریاں کے لئے) سود مند ہے۔ لیکن خدا کی راہ میں دیا ہوا آخرت کا توشہ ہے۔
میں روز و شب مالک کا ذکر کرتا ہوں
خدا کی بارگاہ میں آہ و زاری کرنا اچھا ہے تاکہ گناہ بخشوائے جا

لیکن مست جیسے کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ایک مجذوب درویش تھا۔ مست ساری زندگی روحانیت کے گیت الاپتا رہا اور

الوہیت سے نغمے گاتا رہا اور عرفان و آگہی کے جوت جگاتا رہا۔ انہوں نے نہ صرف اپنی زندگی زہد و اتقا اور عبادت و ریاضت میں گذار دی بلکہ دوسروں کو بھی معرفت کا درس دیتے رہے۔ انہوں نے چمنستان ادب میں تصوف اور معرفت کے ایسے رنگ برنگے پھول کھلائے ہیں۔ جن کی مہک آج بھی شام جہاں کو معطر کرتی ہے۔ آپ نے ایوان ادب میں ایسے لافانی نقوش چھوڑے ہیں۔ جن کی آب و تاب آج بھی نگاہوں کو خیرہ کیئے دیتی ہے وہ ایک نظم میں مدح خداوندی اور نعت رسول میں یوں نغمہ سرا ہوتے ہیں۔

اکھ ڈیکھی ءِ وت خدا جوانیں۔ بادشاہ ایں کر نام ءِ سجانیں
اغ قہاری تہ زور ونڈکانیں۔ مہروان بی رحیم ورحمانیں
قہر و مہرانی قادریں ستار۔ مارا غرضیں بھئی روشنیں دیدار
مار ءَ مس روش ءِ قیامت ءَ بھیدار۔ مس ڈے چھو مجنا یا گنوخ سارال
بازرتی بالاذ ءَ گنہگاراں۔ رحمتاں رب ئیغاں امیداراں
پرھتی دیدار ءَ ہوادارال۔ پل صراط ایں گول بارغیں پل ءِ
چارت ءِ بات میں کانہلیں ڈیل ءَ۔ گوستغاں پیغمبر سوا لکھیں
ہژدو ہنداں عہد گوں ئیکھیں۔ بازمں راستیں پلا سکیں

نی " واحد و تنہا خدا ہی کی ذات ہے۔ وہ بادشاہ ہے جو کہ پاک ہے قہاریت پر آئے تو اس کی سطوت بے پناہ۔ مہربانی فرمائے تو رحمان اور رحیم ہے قہر و کرم پر قادر ستار۔ ہمیں تیرا روشن جلوہ درکار ہے ہمیں قیامت کے دن اپنے دیدار سے بہرہ ور فرما۔ میں بھی مجنوں کی طرح دیوانہ ہوں میرا بدن گناہوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ پھر بھی میں رب کی رحمتوں کا امیدوار ہوں

اور آپ کے دیدار کا طالب۔ پل صراط باریک گذر گاہ ہے
ہمارے کمزور وجود کا خیال رکھنا۔ سوا لاکھ پیغمبر ہو گزرے ہیں
دنیا و عقبیٰ میں ایک ہی کے ساتھ ہمارا عہد استوار۔ کئی لوگ اس کے دست راست
کے پناہ میں (محفوظ) ہوں گے"

مست راہِ سلوک میں ہر چند انفرادی کوششوں اور مجاہدہ کا قائل ہے۔ لیکن روحانیات کے بلند اور اعلیٰ مقامات تک رسائی کے لئے وہ مرشد کامل کی رہنمائی سے فیض حاصل کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ جیسے کہ کہتے ہیں:

پھاذ مں پوری آں اڈائینۃ
دست خوبی گوں تھنگویں گو آں
گر ہواں ضامناں صحیح این آں
سوار ہواں انت کہ داثما سواراں
حیدری گپتاراں خوزیع داراں
مانڑ ءِ ژامبریں تھنگواں باراں
تھنگواں عرشی پریشتغ ءِ کھاراں
پارس آں خواجہ ءِ رو ءِ جوڑاں
آں بے خبر آں کہ اُجبرہ ءِ رمباں
شف پرالالاں ہر دم ءِ روشیں
مومن دو دیداراں دل ءِ گوشیں

"ہم نے زینے (راہِ سلوک) پر قدم جمالئے
طلائی مہر دل کو مضبوطی سے تھام لیا
ہمیشہ صحیح ضامن (مرشد کامل) کی بیعت کرنی چاہیئے۔

سوار (سالکان راہ) وہ ہیں جو سدا راہ سلوک میں گرم سفر ہیں
جو حیدری اقوال کے محرم ہیں۔
جن کا کاسہ (رشد و ہدایت کے) طلائے سرخ سے لبریز ہے
وہ طلائے سرخ جو عرش کے فرشتے مہیا کرتے ہیں۔
(رہنمائی کا) سنگ پارس خواجہ خضر کے ہاں تیار کیا جاتا ہے۔
جو لوگ فقط اپنی دانست پر بھاگ دوڑ کرتے ہیں وہ (راہ طریقت سے) بے خبر ہیں۔
عارفوں کے لئے تاریک رات بھی روز روشن کی طرح ہے
مومن اور دیندار (ان کی ہدایات کے لئے) ہمہ تن گوش رہتے ہیں۔

مست کو اولیا اور برگزیدہ شخصیات سے بے پناہ عقیدت تھی، وہ اپنے اشعار میں پیرو ہاروسے جنہیں بلوچستان بالخصوص مری علاقہ میں بڑا ولی مانا جاتا ہے اتنی غیر معمولی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن ہادی دین متین اور روحانی رہنما کی حیثیت سے وہ غوث الاعظم دستگیر کو تمام اولیاؤں کا سرتاج قرار دیتے ہیں۔ جیسے کہ فرماتے ہیں۔

یات کھناں شاہ ءَ کلّ ءِ پیرانی
حضرت ءِ وہاروُ مہ نتیجہ کلامانی
تھنگویں تمجھوانت مری آنی
آسرءُ دور امیذت گریوانی
کھاختاں سوالی بے حساوی ءَ

کھاختاں ہر دم جہ پہ جاہی ءَ
پُجتاں مراد و گرہ تھاں راھی ءَ
دستگیر سرتاج کُل ءِ پیرانی
چمبو ءِ پشتیں مار مزانانی
مے دل ءَ سوزاں حرف قرآنانی
گونوں پہ زانے کتابانی

یعنی :

میں اولیاؤں کے بادشاہ (حضرت غوث الاعظم) کو یاد کرتا ہوں
(اس کے بعد) حضرت دہاڑو کو جو صاحب کرامات ولی ہے۔
جو مری قبیلہ کا طلائی ستون ہے
غریبوں کا جائے امیداور سہارا ہے
جن کے دربار میں بے شمار زائرین آیا کرتے ہیں
ہر وقت اور تمام اطراف و جوانب سے
مرادیں پا کر خوش خوش لوٹ جاتے ہیں۔
دستگیر تمام پیروں کا سرتاج ہے۔
ایسے شیروں نے (خدارسیدہ اولیا نے) ہماری پیٹھ ٹھونکی
ہے۔
ہمارے دل پر قرآنی حروف منقش ہیں
میرے پاس : صحاف آسمانی کا پرزہ ہے۔

ذات باری : ذات باری کا تصور، تصوف کے اہم ترین مسائل

سے ہے۔ لیکن ذات باری کا تصور انسانی فہم و ادراک کے حدود سے بہت بلند واقع ہوا ہے۔

جیسے کہ شاعر نے کہا ہے۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

بہر حال شعراء نے اپنی استطاعت کے مطابق اس ذات بے ہمتا کی شان کبریائی کے سامنے سر نیاز خم کرنے کا فرض ادا کیا ہے مست ذات باری کے متعلق فرماتے ہیں کہ ذات اقدس قائم دائم اور قدیم ہے جبکہ باقی دنیا فانی ہے۔ خدائے قدوس کی ذات حکمتوں اور مظاہر قدرت میں تو ظاہر و عیاں ہے لیکن ظاہر ہونے کے باوجود نور کے پردوں میں مستور ہے۔ کہا ہے کہ

ہر کس ءُ روت دیہ دت ءُ کوشتی
یہ دت بیت وتھی کھیا گندی
دوست نورانی چادر ءُ توخیں
گوں وتی مہراں یخ نظر گندئے
یک وپاک ءِ تہ باز گناہ ٹلے
قدرتاں دستا دءِ ہو تال ءَ
بادشاہ ءِ کہ بڑتر دبے سیال ءَ
وارث و واندکار ءِ منی حال ءَ
پارٹ بات کہ یکساں پال ءَ

ہر چیز فنا ہو جائے گی فقط ذات الٰہی باقی رہے گا۔
اس کے سامنے کسی اور ہستی کی کیا حقیقت ہے

محبوب (حقیقی) بظاہر عیاں لیکن نورانی چادر میں پنہاں ہے۔

اپنی نظر کرم سے ہماری جانب توجہ مبذول فرما
تو یکتا، پاک اور گناہ بخشنے والا ہے۔
تیری قدرت کاملہ ہر بات پر قادر ہے
تو بادشاہ ہے بلند و برتر اور بے مثال
تو ہی میرا وارث اور میرا حال زار جاننے والا ہے۔
تو ہی بیکسوں کا پرورش کرنے والا ہے۔

حمد و ثنا کے بعد شاعر نہایت عجز و انکساری سے بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا ہے کہ خطا و نسیان کی ابتدا تو ہمارے جدا مجد آدم علیہ السلام کے وقت سے ہوئی۔ اس لئے تقاضائے بشریت کے تحت سہو و خطا کا ارتکاب بنی آدم کی ایک طبعی کمزوری ہے اور اس فطری کمزوری میں شائبۂ خولی تقدیر بھی شامل ہے۔ جیسے کہ کہتا ہے:

کھار ثرا ڈا ڈایا کھرڈوبیتۃ
گیشتر اژ درگاہ ءَ خدائی ءَ

یعنی:

غلطی کی روایت ہمارے جدامجد کے وقت سے قائم ہوئی
اس میں مشیت ایزدی کا بھی بڑا دخل تھا۔

توکلی مست بھی حافظ شیرازی کے اس مسلک کا قائل معلوم ہوتا ہے کہ گناہ اگرچہ نبود اختیار ما حافظ۔ تو در طریق ادب کوش وگو گناہ من است

مست ایک اور نظم میں اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ کمال فکر و فن محض فیضان قدرت ہے۔ اس لئے وہ شعر و سخن کے باب

میں فیض روح القدس کا متمنی ہے۔ کہتا ہے۔

ہر دمے ستاریں خدائی نام ءَ گراں
نام محمدؐ ءِ یا تنوں پیر گوں پڑکواں
رب وسیلہ ءِ کنت پہ کھوریں مڑدماں
می صد ءُ بکاں تھہ سَوْ لاکھاں ییّتاں

یعنی" میں ہر دم خدائے ستار کے نام کا ورد کرتا ہوں
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مجھے سدا یاد ہے اور پیر کامل بمعہ اس کی علم کے پھیروں کے خدا خود ہی بے بصروں کے لئے اسباب مہیا کرے۔

میں سینکڑوں غلط سلط باتیں بکتا رہتا ہوں تو ہی میری باتوں کو ہواری عطا کرنا۔

ذات باری کے متعلق کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

حد حسن تو یا دراک نہ شاید دانست۔۔ این سخن نیز باندازہ ادراک من است

بلاشبہ ذات مطلق کا تصور انسانی فہم و ادراک کے حدود سے بلند واقع ہوا ہے۔ لیکن مظاہر فطرت اسکی صفات کا آئینہ دار ہیں۔ خدائے ذوالجلال کی صفات میں قہاریت وجباریت کے ساتھ ساتھ کی رحمانیت کی صفت بھی موجود ہے۔ مست اللہ تعالیٰ کی ان دونوں صفات کا تقابل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :وہ اس کی قہاریت سے خوفزدہ ہونے کے باوجود اس کی رحمانیت سے عفو و درگذر کا طالب ہے۔ جیسے کہ کہتا ہے۔

تھڑساں ڑا زور کھاراں قہار ئیغاں

چھی ءِ تھئی کھارانی ازل گیراں
چھی ءِ تھئی مہرانی فضل گیراں
دوست مناں پڑدہ اے نقل داری
چھم اثر ءَ مہرانی درا گواری
شربتاں پاک ئیغاں من ءَ لوٹھاں
ہڑدو رنگانی شیشغاں لالیں
نوشتنت شاہ ءِ جتکغیں بچھاں
پیالوے نوشاں کاغذیں رکھان

یعنی: میں خدائے قہار کے جبروت سے ڈرتا ہوں
میں مشیت ایزدی کا جو ازل سے ہے تابع فرمان ہوں
تیرے فضل وکرم کا بھر حال امیدوار ہوں
محبوب نے درمیان میں پردہ حائل کر رکھا ہے
میری آنکھیں فرط محبت سے اشکبار ہیں
میں خدائے قدوس کے شربت (دیدار) کا طالب ہوں
وہ شربت جو لال رنگ کے شیشوں میں بند ہے
(وہ جام شہادت) جسے شاہ کے فرزندوں نے نوش کیا
میں اسی شربت کا ایک جام کاغذی ہونٹوں سے پینے کا آرزومند ہوں

شاعر ایک اور نظم میں خدائے ستار کی بارگاہ میں نگاہ کرم کیلئے یوں نغمہ سرا ہوتا ہے۔

جی کریم سازیں مالکیں ستار
اثر وتی ڈاتانی دَر ءَ مہربیار

پاک ءَ شنت رب ءَ سچیں دیدار
یا محمد شیرسخن سچیار
تھنگویں تاج وبے گوریں ڈاتار

"اے کریم الطبع مالک جو ستار بھی ہے
اپنے بارگاہ کرم سے عنایت کی نظر فرما
خدائے پاک کے حقیقی جلوے (جابجا) ہیں
محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم گفتار کا شہنشاہ اور سچا ہے
(جس کے سر پہ) سونے کا تاج ہے جو بے مثال سخی ہے"

مست ہمیں خدا کی ذات پر بھروسہ کرنے اور مکروہات دنیا کو ترک کر دینے کی تلقین کرتا ہے۔

پشت جنوں دروغانں دنیائُ ءَ
بیا گروں ادمیث ءَ خدائُ ءَ
مارا اللہ وبیا علی یاتیں
اڑ بھیڈا دوست و دژمناں تاتیں

"آؤ کہ اس جھوٹی دنیا کو تج دیں
آؤ کہ خدا کی امید کا سہارا لیں
ہمیں اللہ اور علیؓ سدا یاد ہیں
دوست اور دشمن لیشت باتیں بناتے ہیں

مست اپنی ایک نظم میں خدائے بزرگ و برتر کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں، بے پایاں بخششوں اور عنایت ہائے فراوان کا تذکرہ کرتے ہوئے خدائے قدوس کی حمدیت کا پرچار کرتے ہیں۔ جس نے اپنی

شان کریمی سے نیک و بد کے امتیاز سے بے نیاز ہو کر اپنے بندوں پر رحمتوں اور برکتوں کی بارش کی ہے۔ خدائے عزوجل کے حمد کے بعد شاعر، بارگاہ رسالت میں اپنی محبت و عقیدت کے پھولوں کا نذرانہ پیش کرتا ہے اور آخر میں حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے بازوئے خیبر شکن کی تعریف میں نغمہ سرا ہوتا ہے۔

قدرتاں اوساراں اِلاہ یُنخاں
قدرت وچھر منوذاں لقایُنغاں
دادن و بشکیشاں سخی یُنغاں
پھسغیں باغاں بادشاہی آں
بادشاہ جواں مرڈیں نوی بیتہ
سانگ و سیرانی گورءِ گوں بیتہ
جنگ گرڈانی پہلواں شاہ ایں
عہد مرڈانی شان برجاہ ہیں
یا علیؓ اللہ و انا غاہیں

یعنی: "میں خدا کی قدرتوں کا ثنا خواں ہوں
اس کے رنگا رنگ مظاہر اور تخلیقات کا بیان کرتا ہوں
اس سخی کی نعمتوں اور مرحمتوں کو یاد کرتا ہوں
خدائے صمد کی عطا کردہ شیریں مشروبات کا شکر ادا کرتا ہوں
پکے ہوئے عالیشان باغات عطا کرنے کا احسان مند ہوں)
آنحضرت (بنی نوع انسان کے) برگزیدہ ترین شخصیت اور بادشاہ ہیں۔

وہ خوشی اور شادمانی کے پیام لے کر آئے۔

میدان جنگ کے بہادروں کے پہلوان شاہ (حضرت علیؓ) ہیں۔

مردانہ وار قول نبھانے کی صلاحیت ان کی شان کا طرۂ امتیاز ہے۔

اللہ اور علیؓ اچانک مدد کو پہنچتے ہیں۔

حُبِ مال و جاہ حُب مال و جاہ، عیش و تنعم کی زندگی اور دنیاوی لذات انسان کو اس عظیم مقصد سے غافل کر دیتے ہیں۔ جس کے لئے انسان کو تخلیق کیا گیا۔ شاعر اہل ہوس کو حرص و آز سے بچنے اور صبر استغنا کی راہ اختیار کرنے کا درس دیتا ہے۔

پشت جنوں درو غانی دنیائی ءَ
بیا گروں اومیت ءَ حسدائی ءُ
"آؤ کہ اس جھوٹی دنیا کو تج دیں
اور فقط خدا کی امید کا سہارا لیں"

اسلامی تعلیمات کی رو سے اہل و عیال کی محبت اور اولاد کی چاہت راہ حق میں سنگ گراں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب تک انسان اہل و عیال کی محبت سے بلند ہو کر اور رسول کی محبت کو دل میں جگہ نہیں دیتا اس وقت تک وہ اس بلند مقام تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ جو بندہ مومن کا مطلوب و مقصود ہے۔ اس لئے شاعر ہمیں ہوا و ہوس سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہوئے کہتا ہے۔

اے دنیائیءَ حرفت و ہچاں
کوڑو رہءَ چپیا روشی جن ءُ چھاں
جی پہ ءَ بچواں مڑاں اود ئشتّچاں

یعنی جہان فانی کی چار روزہ زندگی میں
عیال اور فرزندوں کی محبت عبث ہے۔

آفرین ہے ان جوانمردوں پر جو سچائی کا دلدادہ ہیں۔
اہل تصوف نے زہد ریائی کو ہمیشہ ہدف ملامت ٹھہرایا ہے
جیسے کہ حافظ شیرازی نے ہے کہ :

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن
کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

عبادت ریاضت کا بنیادی مقصد تزکیہ نفس اور عرفان الٰہی ہے۔
اس لئے زہد و اتقا میں دکھاوے اور نمائش کا عنصر، عبادات کے اصل روح کو مجروح کر دیتا ہے۔ اس لئے صوفیائے کرام نے ہمیشہ اخلاص مندی اعمال صالح کا بنیاد قرار دیا ہے۔ اسی طرح توکلی مست بھی زہد ریائی کا شدید مخالف ہے۔ جیسے کہ کہتا ہے۔

جنت رہءَ باغاں امتی کا روانی بھی
نیم گوں حوراں نشتہ اد شربت اش ڈہی
نیم ملائیں حالو رگنگ ایں مں دف ءَ
داناں فرقان ءَ گڈا دے درو ہیں مں دل ءَ
نیستنش دگ مں حضور رہءَ مارا کوا
دا تغیں دست شہزدی اصیاں زوارنت

بر ہر درِ کھنت و بارغیں راہاں پارہ بنت
جنت ءِ باغاں نندان گوں حوراں نیاذ بنت

یعنی " جنت کے باغوں میں امت کا کارواں رواں دواں ہے
کچھ لوگ حوروں کے ساتھ بیٹھے ہیں اور انہیں شربت (دیدار)
میسر ہے ۔
آدھے لوگ مُلّا ہیں جن کی زبانیں گنگ ہیں
یہ قرآن پڑھتے ہیں لیکن دل میں کھوٹ ہے
حضور کے دربار تک ان کی رسائی کا راستہ بند ہے
خدا کی راہ میں دینے والے لوگ شہ زور گھوڑوں پر آتے ہیں ۔
انکے گھوڑے تنگ راستوں کو پھلانگ کر گذر جاتے ہیں
(وہ) جنت کے باغوں میں حوروں کے ساتھ ہم نشین ہوں گے ۔

توکلی مست کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ بیت سے
بے انتہا محبت اور عقیدت تھی ۔ وہ حضرت امام حسین کی بے مثال
ایثار و قربانی کا بے حد مداح ہے اس لئے وہ خدا کی راہ میں جان
و مال کی قربانی دینے کو افضل ترین عبادت خیال کرتے ہیں ۔
فرماتے ہیں

بی بی ءِ بچاں ڈسّتہ راہ پہ اُمتی
دڑد و نداں را سوب زادرگاہ ءِ ہلپی ۔
مست ءَ بیڑا بی پار بھیڈی وذجبری

یعنی "

بی بی فاطمہ کے عظیم فرزندوں نے امت کو (قربانی) راہ

ہے۔

اہلِ درد کو بارگاہ ایزدی سے فتح و کامرانی نصیب ہوتی ہے۔
مست کا بیڑا بھی پار ہوگا، فقط پانسہ پلٹنے کی دیر ہے۔"
امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جس ہمت و جرأت اور عزم و ثبات کا عملی نمونہ پیش کیا تاریخ عالم میں اس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی۔ توکلی مست کے نزدیک ظلم و تعدی، بے انصافی اور بے راہ روی کے خلاف، امام حسین کے جنگ و جہاد کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اور حق و باطل کے اس جنگ میں اپنے تیئں امام صاحب کی جماعت کا ایک سرفروش سپاہی تصور کرتا ہے جیسے کہ کہتا ہے۔

(۳) جنگ ایں گوں حوئی آں حسین ٹیخاں
گوناں گوں ٹولی ءَ امام یُغاں
مست گوں معصوماں اُمل یُغاں
شاہ ءَ اسباب گہنوریں تھنیاں
حضرتی دیم و تھنگویں ریشاں
شاہ بھتئ ابرو آں دو کلیناں
مسک مندیل مں بیرم ایں بچاغ ءُ
شرّ ءُ بیچی مں زاھریں جُتاں
اسپر اِ پھلیں مں سُرخ ءِ داراں
رذ کھناں کا ٹار ءَ جزیدیغاں۔

"یعنی"

امام حسینؓ کے قاتلوں کے خلاف ہماری جنگ جاری ہے
مست بی بی فاطمہؓ کے معصوم شہیدوں کے ہمرکاب ہے
شاہ (امام حسینؓ) کا متاع عزیز اس کا تیغ جوہردار ہے
اس کے روئے روشن اور طلائی ریش مبارک کے نثار جایئے
شاہ تیرے ابرو دو خوشنما پھول ہیں۔
تیری دستار فضیلت میں مشک کی خوشبو بسی ہے۔
ان کے دستار کے خم و پیچ میں زاشر[1] کا سا پیچ و تاب ہے
میں تیرے سر پر پھولوں سے تیار شدہ پر اٹھا رکھوں گا۔
تاکہ یزید کے کفار کی وار روک لوں

مست نے اپنی نظموں میں معراج معلی اور روح کے پراسرار وجود کی جانب لطیف اشارات کئے ہیں۔ روح کے متعلق فرماتے ہیں۔

گوڑ دہد اسراریں ہے سبدار۔ نیستی ہَست و کھیت پہ اظہار

"یعنی"

یہ کائنات کی پر اسرار مخلوق ہے۔
جو مادی وجود نہیں رکھتا۔ لیکن اظہار کی صلاحیت رکھتا ہے۔

معراج مصطفےٰؐ کے متعلق فرماتے ہیں۔

مں ہوال روشں ءَ منتاں مناں

---

[1] زاشر ایک خوبصورت بوٹا ہے جو پہاڑوں کی چٹانوں پر اگتا ہے۔

شاہ پہ اظہار ءَ بھڑتیءَ بڑنذا
زرشتغا پرایشتغاں دو زنگیناں

یعنی "میں اس وقت کے احسانات کا منت دار ہوں
کہ شاہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) پر اسرار و رموز منکشف
کرنے کے لئے انہیں بلند مقامات پر لیجایا گیا۔
جنہیں مختلف نوع کے فرشتے اٹھا کرلے گئے"
مست کو خود بھی اپنے کلام کی ہمہ گیر مقبولیت اور اثر و تاثر پر بحد
ناز ہے جیسے کہ کہتا ہے۔

توکلی مست ءِ شیئراں گوں راجی واژہاں
ہر کسے شیئراں ءَ گھٹی امست ءِ قصواں
درست گناہ ماف بنت ژا خاوندءِ درا
نیکیں دعائیاں کھنت مست آنہی ءِ سرا

"یعنی" توکلی مست کے اشعار قومی سربراہوں کے ہاں موجود ہیں۔
جو شخص اس کے اشعار پڑھے گا۔ اور اس کے عشق کی
داستان بیان کرے گا۔
بارگاہ الٰہی سے اس کے سارے گناہ معاف ہوں گے
مست اس کے لئے نیک دعا کرے گا"

ایک اور نظم میں اپنے عارفانہ کلام کو صحف آسمانی کا پرزہ
قرار دیتے ہوئے کہتا ہے۔

مۓ دِل ءَ سوزاں حرف قرآنی
گونہوں پر زاۓ کتابانی

یعنی ۔ ہمارے دل پر قرآن حکیم کے حروف منقش ہیں
میرے پاس صحف آسمانی کے اوراق کا ایک پرزہ ہے"

شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اسی خیال کو قدرے مختلف لیکن نہایت مؤثر اور دلپذیر انداز میں بیان فرمایا ہے کہ

میرے اشعار کے ہر معنی کی کیا بات
شگفتہ صورت آیات قرآں
دل انساں پہ کھلتے جارہے ہیں
رموز معرفت اسرار و عرفان

غرضیکہ توکلی مست کا صوفیانہ کلام حکمت و معرفت کا ایک ایسا رنگین مرقع ہے ۔ جو سالکان راہ کے لئے مشعل کا کام دے سکتا ہے ۔

حادثات و واقعات: مست یوں تو ایک مجذوب اور درویش انسان تھے اور انہیں دنیا داری کے معاملات سے چنداں دلچسپی نہ تھی لیکن اس کے باوجود ان کو متعدد حادثات اور واقعات پیش آئے چنانچہ انہوں نے ان تمام واقعات کو شعر کا جامہ پہنایا ۔ ایسی منظومات سے جو خاص واقعات سے متاثر ہوکر کہے گئے ہیں ۔ اس وقت تک صحیح معنوں میں لطف اندوز ہونا مشکل ہے جب تک کہ ان نظموں کے واقعاتی پس منظر کا پورا علم نہ ہو لہٰذا ہم ان واقعات اور منظومات کا مختصر سا جائزہ پیش کرتے ہیں ۔

ایک مرتبہ جب مست سندھ کی جانب سیر و سفر کو گیا ہوا تھا اس کی غیر حاضری کے دوران اس کے ایک بھائی نے جس کا نام پھیرک تھا خودکشی کر لی۔ اس وقت کے قبیلہ کے تمندار سردار گزین خان نے ایک قاصد کے ذریعے خط بھیج کر مست کو اس افسوسناک صورتحال سے مطلع کیا۔ پھیرک ایک نہایت شکیل اور شوقین نوجوان تھا۔ اسے سرود بجانے کا بہت شوق تھا۔ اس لئے وہ ہمیشہ سفر اور حضر میں سرود اپنے ساتھ لئے پھرتا تھا اور جہاں فرصت ملتی وہ ساز کے نغمات سے لطف اندوز ہوتا۔ پھیرک ایک نہایت حساس اور جذباتی آدمی تھا۔ اور محبت کے معاملات میں بے حد کمزور انسان تھا۔ اسے اپنی بیوی گراں ناز سے عشق کی حد تک محبت تھی۔ سوئے اتفاق سے گراں ناز نے اپنے خاوند کے کسی بات پر ناراض ہو کر خودکشی کر لی۔ پھیرک نے سوچا کہ گراں ناز کے بغیر جینا بیکار ہے۔ چنانچہ اس نے بھی اپنے ہاتھوں ہی اپنی زندگی ختم کر ڈالی۔ مست نے اس اندوہناک حادثہ پر ایک نظم کہی۔ جس میں اپنے رنج و غم کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے۔

چھراں چھراناں کدہ بیہوشءَ آ ٹکغاں
کاغذے آتکہ گوں ہزاریں لکھ و پڑھاں
پھیرک ءِ حال ءِ گوں ءَ تاں گزین ءِ سلام
سرتھئے سوباں بات من سیر و شادیاں
کتے ءِ سوباں پھیرک ءِ گراں ناز ءِ غماں
رنج و بد کہار ءَ بنت اثر ءَ دست ءِ مڑدماں

روشں ءَ پیشیں ءُ کوہ ءَ بیٹو ءَ سمبراں
ڈاں ایں پُٹی ءَ بھلکڑی پیدا بیتغاں
یا الٰہی تھ دے متاں مرگی باترال
دلیفر ءَ وخت ءَ مانڈرک ءَ پندا آختغاں
پٹھوے مارخ دیکوے کاندھی کھاخت ءُ تاں
یا الٰہی اے چے گناہے ءَ گپتغاں
ہر ششں ایں براتاں ایک دیکھی ءُمنتغاں
تھی کوتح ءَ لاری ءَ تھاں دریاءُ لہرے جناں
قادری خواجہ گار محن اے تھی آمانتاں
تھی دوست ءَ آہو ءُ تھاں دہی دو مبے ءُ دیاں
تھی دست ءَ آہو ءُ مں اشی بندے ایر کھناں
رنج دجینت کھرگز ءَ دلگوشں ءَ کھناں
موت ءُ روشں بی چھو بیارنت وھبیداراں مناں

"یعنی"

چلتے چلاتے ہیں بیبو پہاڑ تک آن پہنچا
میرے نام ایک خط آیا ہے جس میں مفصل باتیں تحریر ہیں
(اس میں) پھیرک (کے موت) کا حال اور گزین کے سلام شامل ہیں
تم (گزین خان) سدا عقلمند اور شادماں و فرحاں رہو
لوگ اور حادثات سے مرتے ہیں۔ لیکن پھیرک گراں ناز کے عزل کے باعث فوت ہوا۔
انسانوں کے ہاتھوں اچھے اور برے ہر قسم کے کام سرزد ہو جاتے

میں
ظہر کے وقت میں کوہ بیٹھو سے روانہ ہوا
میں ایک دشت تک جا پہنچا جہاں سرخ پھول کھلے تھے
یا الٰہی مجھے پرندوں کے پر و بال عطا کر
کہ میں پر سمیٹ کر عقاب کی طرح تیزی سے منازل طے کروں
عصر کے وقت میں مانڑک بند آ پہنچا
ایک جانب سے ہم آئے اور دوسری جانب سے جنازہ کو
کندھا دینے والے آ پہنچے
یا الٰہی یہ کس خطا کی سزا ہے۔
چھ بھائیوں سے میں تنہا رہ گیا ہوں
(میں) تیری تلوار کو کس دریا کی لہروں کے سپرد کروں
(اور کہوں) اے خواجہ یہ تیری امانت ہے اسے گم نہ ہونے دینا
میں تیرے ذاتی استعمال کی سارنگی کس موسیقار کے حوالے کروں؟
تیرے سرود کو میں پہاڑ کی دشوار گذار چوٹی پر رکھوں گا
جہاں اسے فرشتے بجائیں اور حسینائیں اس کے نغمے سنیں
جس روز مجھے موت آئے اس روز مجھے لا کر دکھائیں

ریل کا سفر: ایک مرتبہ مست مری علاقہ سے لال شہباز قلندرؒ کے مزار کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ دن کو سفر کرتے اور جہاں رات ہوتی وہاں آرام فرماتے۔ اس سفر میں درخان نامی ایک مری جوان کا رفیق اور دمساز تھا۔ ان کے ہمراہ تھا۔ منزلیں طے کرتے بالآخر وہ سندھ کے علاقہ میں داخل ہوئے۔ سندھ میں ان دنوں ریل گاڑیاں چلنی شروع ہو گئی

تھیں۔ لیکن مست نے اس وقت تک ریل گاڑی نہیں دیکھی گئی۔ چلتے چلتے جب مست اور اس کا ساتھی تھک گئے تو ستانے کے لئے ریل کی پٹڑی پر بیٹھ گئے۔ اور وہیں "پھوک" پینے لگے۔ تھوڑی ہی دیر بعد دور سے ریل گاڑی دندناتی ہوئی آتی دکھائی دی ڈرائیور نے دو آدمیوں کو پٹڑی پر بیٹھے دیکھ کر دور ہی سے سیٹیاں بجانی شروع کر دیں۔ بہار خان تو سیٹی کی آواز سن کر اور ریل کو آتے دیکھ کر پٹڑی سے دور جا کھڑا ہوا۔ اور اس نے مست کو بھی وہاں اٹھنے کے لئے آوازیں دیں لیکن مست دنیا و مافیہا سے بے پروا اپنے خیالوں میں مگن بیٹھا رہا۔ بالآخر انجن ڈرائیور نے مست سے تھوڑے فاصلے پر بمشکل گاڑی روک لی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مست نے اپنے کرامت کے بل بوتے پر گاڑی روک دی کیونکہ اس واقعہ کے متعلق انہوں نے نظم لکھی۔ اس میں اسی قسم کے اشارات ملتے ہیں۔ بہر حال گاڑی رک گئی اور اور مست اور اس کا ساتھی ریل پر سوار ہو کر سیلون جا پہنچے۔ مست نے غالباً پہلی مرتبہ ریل گاڑی دیکھی تھی۔ جسے دیکھ کر اسے بے حد تعجب ہوا۔ اسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ اس دیو ہیکل سواری کا کیا نام ہے۔ چنانچہ وہ مزے لے لے کر اس کا تذکرہ کرتا ہے۔ اور ریل گاڑی کو "دھودھو" یعنی دیو کی مانند ہیبت ناک کے نام سے پکارتا ہے۔ مست کی یہ نظم جزئیات نگاری کی لاجواب مثال پیش کرتا ہے۔ جیسے کہ فرماتے ہیں۔

جی خدا قدرت د کمالانی
دیتہ ما دھو دھوئے دھمالانی

قدرتی سنگے بادشاہانی

اے چھپے اسباباں تیل دتالانی

سکواں ڈونہو آں شمالانی

ژل گراناں کے کسویں تالاں

دھم دھاناں کھے بانزری بالاں

دئی تی اے پہ حکمت ودّھالاں

اژ وتی سلطانیں سرد تالاں - اربذاناں کھے سانوڑی سیراں

سرشاناں چھوتا بہی نوذاں

نین کردان سیوا اڑء شتوں اوزا ، اوزا گورتمبو ء امام یُغا

یعنی : خدا کی قدرت اور کمالات کے کیا کہنے

ہم نے ایک دیو پیکر کو رقص کرتے دیکھا

(جو) بادشاہوں کے کمال فن کا مظہر ہے

علم وحکمت نے کیا کیا وسائل پیدا کئے

اس کے بند بند سے دھوئیں کے بادل اٹھ رہے ہیں۔ جن میں شعلے لرزاں ہیں ۔

وہ شفاف نعل پر پھسلتا ہوا آ رہا ہے ۔

عقاب کے پروں کی سی تیزی کے ساتھ

ہم نے حکمت کے ہاتھ کا ڈھال آگے بڑھا دیا

اسے اپنے سلطان سر سے ٹال دیا "

وہ ساون کے سیلابی ندی کی طرح مچلتا ہوا روانہ ہوا ۔

اور دور سے آنیوالے بادلوں کی طرح بڑھتا چلا گیا

بالآخر ہم سیرن جا پہنچے

دہاں امام (حضرت لال شہباز قلندر) کے روضے تک

مست کی سیر و سیاحت سے جہاں بعض دلچسپ اور خوشگوار یادیں وابستہ ہیں۔ وہاں اس کے نتیجہ میں کئی تلخ اور دلخراش واقعات بھی ظہور میں آئے مست ایک مرتبہ جب سیر و سفر کرتا ہوا ڈیرہ غازی خان جا پہنچا تو وہاں اسے بڑی دشواریوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مست اپنی عادت اور طبیعت کے ہاتھوں مجبور تھا۔ حسب معمول ہر رہگذر سے سمو کا پتہ معلوم کرتا پھرتا تھا۔ کسی نے اسے دیوانہ خیال کیا اور اس کی باتوں کا طنز آمیز قہقہوں سے جواب دیا تو کسی نے اس کی باتوں کو بے معنی سمجھ کر خاموشی اختیار کر لی۔ مست اسی طرح سرگرداں اور پریشان پھرتا رہا حتیٰ کہ ان باتوں کا چرچا نواب میر جمال خان لغاری تک جا پہنچا۔ نواب صاحب نے اپنے حواری کے کہنے پر کہ آیا واقعی مست سمو کا عاشق صادق ہے یا نہیں اس کا امتحان لینا چاہا۔ چنانچہ اس غرض سے شہر کی سب سے حسین اور نوجوان طوائف موراں کو کہلوایا کہ اپنے حسن و جمال اور ناز و ادا سے مست کے دل سے سمو کا خیال کسی طرح نکال دے موراں کو اپنے حسن جہانسوز اور اٹھتی ہوئی جوانی پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ مست کا دل موہ لے گا۔ چنانچہ مست کو ڈیرہ غازیخاں کے بازار کے سیر کے بہانے وہاں کے بازار حسن میں لیجایا گیا۔ موراں بن سنور کر مسکراتی اور قدم قدم پر جادو جگاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تو مست بے حد متوحش ہوا۔ اسے تو سمو سے محبت تھی اور کسی اور عورت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ موراں نے اسے اپنے دام فریب میں لانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن مست پر اس کے حسن کا جادو نہ

چلۓ بکا - آخر کار مست کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو گیا - وہ اپنی ایک نظم میں اس حبس بے جا کے خلاف شدید احتجاج کرتا ہے - اور اس واقعہ کے پس منظر میں موراں کے حسن و جمال اور اس کی پیشہ ورانہ پرُکاریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی کا فرق بیان کرتا ہے، جیسے کہ کہتا ہے

سمبراناں پہ مُنڑلیں راہے
کھانگوں دال کچی لدریں ٹھہرے

دیرو ۓ بازار ۓ گروں بہڑں
کنجریاں ڈا مہتڑیں موراں
گھیت رڑناں چھو چھاڑدہی ماہاں
گھراں جنت چھو تانہی نوذاں

چھاٹۓ دات خوشبوآں اودیہہ بنیاں
عطر دہمبوئیں کتوری آں
گرں وتی سنہڑائیں سرو ڈیل ۓ
مس تھئیُ آں وتھی نیاں کستی
مس پھیرانی گیتغاں پھستی
نہ ہرزامیولایادرۓ وستی
ینگ وتھئُ دڑوی آں خدا وستی

اسے منی سرزاں گراں بہائیناں
(سقرا) نیم شفی پاساں لیو روائیناں
دل گریں بنگاں ۓ ورائیناں
اٹر پھنڈی رنداں ۓ رہائیناں

اومنی سٹرداراں تو بھین اناں
زور منی ہٗکو کھٹی رہٗ مہ بھترین رہٗ
دلگریں کیغان وٗمہ کھاوارے
گپتان کیغان شرخاریناں
سل رہٗ سبی آں دہ ویین آں
دیرہ رہٗ گندہٗ عادتیں رناں
گجربانی چھپار شغی ذونقاں
سل رہٗ عہدان نہ بیوریناں
یار ہواں انت کہ دائمی یارانت
سومری چھپار روشی نہ پھادارانت

یعنی

تیار ہو کر ہم منزلیں طے کرتے رہے
ہم ایک گنجان اور پر رونق شہر جا پہنچے
آؤ کر ڈیرہ (ڈیرہ غازی خان) کے بازار کی سیر کریں
زنانِ بازاری میں موراں سب سے نمایاں ہے
وہ چودھویں کے چاند کی طرح ابھرتی ہوئی آئی
برکھا کے بادلوں کی طرح نغمہ سنج
زلفیں خوشبو میں بسی ہوئی
عطر اور عنبریں کستوری میں
اپنے حسین و جمیل قد رعنا کے ساتھ
(کہنے لگی) "میں فقط تیری ہوں تیرے سوا کسی کی بھی نہیں۔

میں نے ہمیشہ درویشوں کی صحبت کے مزے لوٹے ہیں
(ہم پر) بارگاہ ایزدی سے کرم کی بارش ہوتی رہے گی
میرے اور تمہارے حاسدوں کو خدا غارت کرے گا
میرا یہ سرزانو گراں بہا ہے۔
میں آدھی رات کو تیرا جی بہلاؤں گی
تجھے پر کیف بھنگ پلاؤں گی
دنیا و مافیھا سے بے نیاز بنا دوں گی"

اے میرے قوی سردار و
مجھے اندوہگیں نشہ نہ پلاؤ
مجھے زور سے کوٹھے میں نہ دھکیلو"

(کیونکہ) میں پہلے سے ہی ایک پُرسوز کیف سے سرشار ہوں
سمو کی آتش عشق نے مجھے ہر دو جانب سے کباب کی طرح جلا ڈالا
(آہ) ڈیرہ غازیخاں کی یہ آوارہ عورتیں
ان طوائفوں کے چار راتوں کی لطف اندوزی کی خاطر
میں سمل کے عہد و پیمان نہیں توڑوں گا۔
یار وہ ہیں جو سدا وفادار ہیں
جو حیدری رموز سے آگاہ ہیں
بیوفا حسینوں کے چار دن کی محبت ناپائیدار ہے۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ تک مست نواب جمال خان سے کچھ آزردہ رہے۔ لیکن وہ نیک دل اور صاف باطن انسان تھے انہوں نے نواب صاحب سے ناراضگی کے خیال کو دل سے نکال دیا اور ان کے ہاں آمدورفت جاری رکھی۔ کچھ عرصہ بعد نواب جمال خان

نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو مست کو بھی اس مبارک سفر پر ساتھ چلنے کی دعوت دی مست تو بیت اللہ کی زیارت کے لئے سخت بیتاب تھا۔ چنانچہ انہوں نے دعوت قبول کرلی اور ان کے ہمراہ ہو لئے اتفاق سے نواب صاحب وہاں جاکر سخت بیمار پڑ گئے اور ان کے بچنے کی کوئی امید نہیں رہی تو انہوں نے مست سے صحت یابی کے لئے دعا کرنے کو کہا تاکہ وہ وطن پہنچکر اپنے عزیز واقارب سے ملاقات کرسکیں ۔ مست نے ان سے کہا کہ دیار حبیب وہ مقدس مقام ہے جہاں پہنچ کر رگ مرنیکی دعائیں کرتے ہیں ؟ لیکن نواب صاحب کی شدید خواہش تھی کہ وہ اپنے آبائی وطن " چوٹی "کو دوبارہ ضرور دیکھیں مست نے ان کے لئے دعا کی اور کہا اگر خدا نے ہماری دعا سنی تو آپ چوٹی کے درختوں کا منظر دیکھ لیں گے۔ چنانچہ جب نواب جمال کو واپس لایا جارہا تھا تو اس کے مصاحبوں میں سے کسی نے اس کی دلجوئی کے لئے کہا کہ اب چوٹی قریب ہے اور دور سے وہاں کے درخت نظر آرہے ہیں۔ نواب صاحب نے بھی حسرت بھری نگاہوں سے چوٹی کے بلند و بالا درختوں کا منظر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی - انا للہ و انا الیہ راجعون

مست نے یہ تمام سرگذشت ایک نظم میں نہایت فنکارانہ انداز میں بیان کی۔ اس نظم میں دیار حبیب سے اس کی والہانہ محبت وعقیدت کا اظہار ہوتا ہے فرماتے ہیں -

ہاڈ بل بیتہ مار شیلنتہ یاراں

بی خورڈار ٹرا بنہٹرو سیساراں
جھاکتو ساوی ایں دریا پاراں
شانجھرا جلدی جھٹتہ یاراں
ماش ء رَبّ ءِ قدرتاں دیتہ
مارا شاہ ءِ پہ حکمتاں کشتہ
میرجمال خان ایملاں گپتہ
منزل ایں سٹرد اہ ءِ ہیے بٹّیاں
منزل وجوائیں بو قرن ءِ ایشیں
ایشیا دُرّیں واژہ ءِ مائیں
میر پہ چھوٹی ءِ امندائیں
الکھریں منت ءِ مناں لائیے
ملکیت موت ءِ مُہلتاں بشکئے
شمبری مارا نودتاں بہر کھاں
میرءِ داں چھوٹی ءِ دہ ءِ سہ کھاں
بجی حاجی آں بخد ہے جوائیں
میر پہ چھوٹی ءِ امند ائیں

یعنی

" غلغلہ ہوا اور یاروں نے ہمیں دھکیل دیا
ذرا ویل مچھلی اور مگرمچھ رجیسے جانوروں) سے جانوروں
سے خبردار رہنا
میں نے نیلا سمندر تیر کر پار کر لیا۔

دوسری جانب ساحل پر موجود ساتھیوں نے مجھے لپک کر تھام لیا۔

ہم نے قدرت خداوندی کا تماشا دیکھا
اس شہنشاہ نے ہمیں اپنی حکمت کی مدد سے نکالا

(دریں اثنا) میر جمال خان پر بیماری کا حملہ ہوا۔
سردار جمال خان کا منزل مقصود دریا کے کنارے کے بستی
(ڈیرہ غازیخاں) میں ہے
(حالانکہ) حقیقی منزل مقصود اور اچھا جائے قیام تو یہی مقدس مقام ہے

جہاں ہمارے آقائے نامدار (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بستے ہیں۔

(لیکن) میر جمال خان چوٹی کے لئے بیقرار ہے
(مالک) مجھ پر اتنا احسان کیجئے
(کہ) ملک الموت اس کی موت میں قدرے تاخیر کرے
اس مرتبہ ہمیں اس قدر سرخروئی بخش دے۔
کہ میر چوٹی (کے علاقے تک) پہنچ جائیں۔

ہر چند کہ حجاج کے لئے سب سے بہترین مقام حجاز مقدس ہے
(مگر اس کا کیا علاج) کہ چوٹی کے لئے بیقرار ہے۔

علامہ اقبال نے بھی "شفا خانہ حجاز" کے عنوان کے تحت بعینہ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے

بعض راوی مست کی اس نظم کے ابتدائی اشعار کو ایک

اور واقعہ سے بھی منسوب کرتے ہیں۔ بعض راویوں کا بیان ہے۔
کہ نواب جمال خان کے بعض مصاحبین کو نواب صاحب کے ہاں
مست کی آمدورفت اور اس کی قربت ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی
اس لئے وہ ہمیشہ مست کے درپے آزار رہتے تھے۔ کہتے ہیں
کہ مست کو موراں نامی طوائف کے کوٹھے میں دھکیلنے کا واقعہ بھی
انہی حاسدوں کے سازشوں کا شاخسانہ تھا۔ چنانچہ جب نواب صاحب
نے مست کو حج بیت اللہ کے لئے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ تو
نواب صاحب کے مقربین کو یہ بات بہت ناگوار گذری اور انہوں
نے مست کے خلاف یہ کہنا شروع کر دیا کہ مست میں نہ تو کوئی ولایت
ہے نہ کرامت بلکہ یہ شخص بڑا پاگل ہے اور نواب صاحب خوامخواہ
اسے ولی سمجھ کر ساتھ ساتھ لئے پھرتے ہیں انہوں نے یہ کہنا شروع
کر دیا کہ اگر واقعی یہ کوئی برگزیدہ شخص ہے یا خدا رسیدہ آدمی
ہے تو کیوں نہ اس کو جہاز سے سمندر میں پھینک دیا جائے۔ اگر
یہ سچ مچ ولی ہے تو جہاز کے بغیر بھی بیت اللہ شریف پہنچ سکتا
ہے۔ بعض روایات کے مطابق جن کی صحت محل نظر ہے مست،
کو جہاز کے عرشہ سے سمندر میں دھکیل دیا گیا لیکن مست جہاز
کے جدہ پہنچنے سے بیشتر ہی وہاں نواب صاحب اور اس کے رفقا
کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ بعض لوگ مست کے سفر حج
کے سلسلہ کی نظم کے ابتدائی چھ مصرعوں کو اسی واقعہ سے منسوب
کرتے ہیں مکال گویہ ہے کہ نظم کے یہ اشعار اس قدر ذو معنی ہیں
کہ اس واقعہ پر بھی پوری طرح چسپاں ہو سکتے ہیں۔ اور۔ جہاز

کی روانگی کے وقت کے عام شور و شغب اور سمندر کے روانتی سفر کے حالات سے بھی پوری طرح منسلک نظر آتے ہیں۔

دہلی جیل کا واقعہ مست کو سیر و سیاحت سے بڑی دلچسپی تھی اور وہ دور دور کے علاقوں تک سیر و سیاحت کے لئے چلے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ ملتان اور لاہور کے اولیاؤں کے زیارت سے مشرف ہونے کے بعد دہلی جا پہنچے اور دہاں کے کوچہ و بازار کی سیر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جیل جا پہنچے اور جیل کے اندر جانے کی کوشش کی تو اسے جیل کے عملہ نے آڑے ہاتھوں لیا۔ مست نے ایک نظم میں جیل کے عملہ کی دراز دستیوں کی داستان بیان کی ہے۔ دہاں اسے اپنے دوست احباب اور عزیز و اقارب یاد آتے ہیں وہ اس بات پر افسوس کرتا ہے کہ اس کی قوم کے لوگ دہاں موجود نہیں۔ اگر وہ اس کے ہمراہ ہوتے تو یقیناً کوئی بھی اس سے اس طرح کا توہین آمیز سلوک نہ کر سکتا۔ جیسے کہ کہتا ہے۔

شہریں دلّی اسے بچتن دواسانی
تیع ءُ شنت سندھ ءُ سیاہ دفیں کا نڑی
ہکل و ہوڑایاں لغورانی
گوں یننت ابا پچھ مری آنی
مہراللہ خان شہداد شیرانی
لاکھا وڈیرہ سرہلبوانی
میر حسن خان و یار محمد توتانی

گون نیت شہباز خان جلوانی
دیرو ءَ راہیجو منڑا یانی
کوچھ ءَ سہراب ڈومبکی آنی
کوہلو ءِ میران میوہ نوثانی
ہیوتاں باطیل خاں مسورانی
برکھم ءِ قادر خان مزارانی

یعنی ۔

دلّی کا شہر دلچسپیوں اور تفریح کا مرکز ہے
یہاں سندھ کے کالے کلوٹے جمع تھے
یہ بزدل لوگ دھمکیاں اور دھکے دے رہے تھے

افسوس کہ میرے بھائی (قبیلہ مری کے عزیز) موجود نہ تھے۔
نہ مہر اللہ خان تھا نہ شہداد شیرانی
نہ لاکھا وڈیرہ تھا جو لڑائی میں پہل کرنے کا عادی تھا۔
نہ میر حسن خان نہ ہی یار محمد نوثانی (ہمراہ) تھے۔
نہ شہباز خان جو حملہ آوری میں یکتا تھا۔
نہ ڈیرہ بگٹی کے معزز راہیجہ تھے
کچھی کا سہراب خان ڈومبکی تھا۔
نہ کوہلو کے میران اور میوہ نوثانی (ایک فرقہ) تھے
نہ ہی ہیتان اور باطیل خان مسوری موجود تھے
بارکھان کا قادر خان مزارانی وہاں موجود نہ تھا۔

توکلی مست کے داستان عشق کی شہرت کے ساتھ ساتھ اس کے حسن کلام اور زور بیان کے بھی ہر جگہ چرچے ہونے لگے چنانچہ وہ جہاں بھی جاتے تھے وہاں شعر و سخن کا دیوان برپا ہو جایا کرتا تھا۔ ان کی محفلوں میں بڑے بڑے قبائلی زعما دانشور ادیب شاعر اور سخنور شریک ہوتے۔ ان مجالس میں شریک ہونے والے مقامی شعرا بھی اپنے اشعار سناتے اور مست کے کلام سے بھی اخذ فیض کیا کرتے تھے۔ مست کو لوگ ایک نغز گو شاعر سے بھی زیادہ ولی اور صاحب کرامت خیال کرتے تھے۔ اور اظہار عقیدت مندی کے طور پر بڑے بڑے عالی مرتبت سردار نواب اور قبائلی سربراہ مست کو اپنے ہاں مدعو کرنے لگے اور انکی نیک دعاؤں اور شاعرانہ کمالات سے اخذ فیض کرنے لگے۔ میر امام بخش زند نواب جمال لغاری، نواب غلام مرتضیٰ خان بگٹی، سردار گزین خان مری۔ محمد خان گشکوری وغیرہ سے ان کے قریبی اور گہرے مراسم تھے۔

نواب محمد اکبر خان بگٹی جو نواب غلام مرتضیٰ خان کے نواسے اور قبیلہ بگٹی کے موجودہ تمندار ہیں۔ ہر چند بنیادی طور پر سیاسی شخصیت ہیں۔ لیکن سیاست کے ساتھ ساتھ زبان ادب اور تاریخ سے بھی گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ ان کے ہاں ایک دعوت میں جس میں راقم الحروف بھی شریک تھا۔ نواب صاحب نے توکلی مست کے شاعرانہ کمالات اور حالات زندگی پر گفتگو کا آغاز کیا۔ دوران گفتگو انہوں نے یہ عجیب انکشاف

کیا کرمست کے ہاتھ کا عصا اور ان کی کرتی (چین والی قمیص) یادگار کے طور پر ان کے ہاں محفوظ ہیں۔ حاضرین نے ان قیمتی اور تاریخی نوادرات دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے مست کے ہاتھ کا عصا جو اس وقت گھر میں موجود تھا منگوایا حاضرین نے بڑے ذوق شوق سے دیکھا۔ اس محفل میں متعدد سفید ریش بگٹی معتبرین بھی موجود تھے۔ عصا کو دیکھنے کے بعد کافی دیر تک اس بات پر بحث و تمحیص جاری رہی کہ عصا کس درخت کی لکڑی سے تیار کیا گیا تھا۔ لیکن یقینی طور پر کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکا۔ نواب محمد اکبر خان بگٹی کا خیال تھا کہ عصا اور کرتہ چونکہ چھوٹی سائز کے ہیں۔ اس لئے قیاس کہتا ہے۔ کہ مست قامت کے اعتبار سے درمیانہ بلکہ اغلباً کوتاہ قامت تھے۔ توکلی مست کے اشعار سے بھی مرتضٰی خان قندار بگٹیؒ سے ان کے مراسم کی شہادت ملتی ہے

آتکغو کوہ ءُ سنگریں دربتہ
سنگرو قربانی سلام بیتہ
گوستغاں کھرڑے روش اودیام ءُ
گوراسیہ گندیں مرتضٰی خان ءَ
ذات زرکھانی تھنگویں خان ءُ
سرسات شوہانہ عاقلیں دانا
ملا ماناختہ اثر دی جان ءُ

یعنی

ہم نے آ کر کوہ جبار دن کے سنگی بنیر شہری) کی زیارت کی پھر

کے سلام کے ساتھ ساتھ قربانی بھی دی۔
(ہم نے) کچھ دن اور بھی گذار دیئے۔
نواب مرتضیٰ خان کے ہاں جو (ہر شخص کو) عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا ہے۔
جو تمام بگٹی قبیلہ کا سربراہ ہے۔
خدا نہ کرے کہ تمہیں کوئی ذہنی پریشانی لاحق ہو۔
اس (مرض کا) تو ہمیں ذاتی تجربہ ہے

سمو کی وفات

سمو کی وفات: مست کی محبوبہ سمو نے تقریباً ۱۸۰۵ میں وفات پائی سمو کی وفات کا سانحہ مست کے لئے ایک ناقابل برداشت صدمہ تھا۔ لیکن مست ایک حوصلہ مند اور راضی برضا انسان تھے چنانچہ وہ قدرت کے اس فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے کہ موت برحق ہے اور اس سے کسی کو مفر نہیں،

حقنا موت دمن پر ءَ ارمانی نیاں

یعنی"

موت برحق ہے اس لئے مجھے اس کا افسوس نہیں"

ہر چند کہ مست صبر ورضا کے پیکر انسان تھے، لیکن سمو کی وفات کے وحشت انگیز خبر نے اس کے اعصاب کو جھنجوڑ کر رکھ دیا چنانچہ وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ

جھلوا بیارت کہ دل ءَ بنداں ایر کھناں
سملے کو ہیں بانڈو ءَ بہر دلال کھناں

یعنی ،

خنجر لے آؤ کہ میں اسے جگر کے پار اتار دوں
اور سمو کے گھر کو خون دل سے رنگیں بنادوں "

جب تک سمو زندہ تھی۔ اس کے گھر کا ایک ایک ذرہ ، ایک ایک سنگریزہ اور ایک ایک پتھر مست کے ساتھ زبان حال سے ، راز و نیاز کی باتیں کیا کرتا تھا۔ لیکن سمو کی وفات کے بعد اس کے گھر کے تمام ماحول پر ایک ہیبتناک سکوت طاری ہوگیا۔ ایک پر ہول خموشی چھا گئی۔ محبوبہ کے گھر کے در و دیوار اور شجر و حجر خاموش تھے ۔ ایسے محسوس ہوتا تھا۔ جیسے کہ تمام فضا پر ایک دبی ہوئی چیخ کی لرزتی ہوئی صدا مسلط ہے۔ مست اسی صورت حال کی منظر کشی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :-

آتکغاں منکہ باندُواں احوالے گراں
سنگ نہ گالایاں ہکلے سندکاں را دیاں
سنگ نہ گالایاں نیتاں سنگاں را زواں
سنگ نہ گالایاں باج ہو ترا دُرتیں بانکاں
غم تھیؤ سمو ئشاں چھوچھانی غماں ت

یعنی ،

میں وہاں گیا کہ اس کی اقامت گاہ سے حال احوال پوچھوں
پتھر جواب نہیں دیتے (ہر چند) میں انہیں صدا دیتا ہوں
(آہ) ، پتھر نہیں بولتے ، پتھر دل کی زبان نہیں ہوتی
حسین مالکنوں کی غیر موجودگی میں ، پتھر گویا نہیں ہو سکتے ۔

سمو تیرے غم بیٹوں کے (جدائی کی) غموں کی طرح جلا ڈالتے ہیں۔ شاعر سمو کی جدائی کے غموں کو تو نہیں بھلا سکتا لیکن وہ اس بات پر مطمئن ہے۔ کہ سمو جنت کی فضاؤں میں حوروں کے ہمراہ طوبیٰ کے درخت کے سایہ تلے بیٹھی نور کے پیالوں میں حوض کوثر کے پانی سے لطف اندوز ہو رہی ہے اور ساتھ ہی اس نے آب کوثر کا دوسرا پیالہ مست کے لئے بھر رکھا ہے اور اس عارضی جدائی کا نتیجہ بالآخر ابدی وصال کی صورت میں نمودار ہوگا جیسے کہ فرماتے ہیں

چھوٹے ملکاں دا تغنت عرشی پریشغاں
سمو گوں حوراں نشتہ مس طوبیٰ رہن ءَ
کوثر رہ آفاں نوشی ءَ کھاں نور پیالواں
پیالوے نور رہ ایریں پہ مست رہ نیت ءَ

یعنی "

ملائک اور عرش کے فرشتوں نے خبر دی ہے
(کہ) سمو حوروں کے جھرمٹ میں طوبیٰ کے سایہ بیٹھی ہے
نور کے پیالوں میں آب کوثر نوش کر رہی ہے
نور کا ایک پیالہ مست کے لئے الگ رکھا ہوا ہے "

مست کے معاصرین: مست کا عہد ۱۸۳۱ء سے لے کر ۱۸۹۶ء تک محیط ہے۔ اس عرصہ میں مری علاقے میں بڑے بڑے نامور شاعر پیدا ہوئے جن میں گدو ڈوم بجار مری عارف یا آرو ملا عمر مری، رحملی، میر ہزار خان اور محمد خان مری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ مرستان سے باہر

کے معاصرین میں ملا فاضل، ملا قاسم ملا بہرام محمدان گشکوری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ہم عصر شعرا عموماً یا تو اپنے معاصر شعرا کو متاثر کرتے ہیں۔ یا معاصرین میں سے کسی کا اثر قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن بلوچ شعرا کے معاملے میں صورت حال مختلف ہے۔ ذرائع رسل ورسائل ابلاغ کی کمی کے باعث قدیم شعرا کے درمیان باہمی اثر و تاثر کا سلسلہ مفقود ہے۔ جس وقت ملا فاضل ملا بہرام اور ملا قاسم مکران کے ریگزاروں میں اپنی گرمی گفتار کا جادو جگا رہے تھے۔ وہاں مست ان کی نوا سنجیوں سے بے خبر کوہستان مری میں کشتِ ادب کی آبیاری کر رہے تھے

شعر و ادب کے اعتبار سے مست کا زمانہ بلوچی ادب کا زرین عہد ہے۔ اس عہد میں بلوچی زبان کے بہت عظیم اور غیر معمولی شاعر پیدا ہوئے جن کا مختصر تذکرہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ **ملا فاضل رند**۔ ملا فاضل رند قاسمی چات نامی مقام کے رہنے والے تھے جو کہ مند کے قریب واقع ہے۔ مند، مکران اور ایرانی بلوچستان کے سرحد پہ واقع ہے۔ فاضل بہت بڑے عالم ہونے کے علاوہ ایک قادرالکلام اور بدیہہ گو شاعر تھے۔ انہیں عربی فارسی اور بلوچی زبان پہ کامل عبور تھا۔ ملا فاضل کو شعر و سخن کے مختلف اصناف مثلاً غزل، مثنوی وغیرہ پر کامل دسترس حاصل تھا۔ نزاکت تخیل اور رنگینی بیان کے اعتبار سے ملا فاضل کا مقام بے حد بلند ہے۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ کہ ملا فاضل بلوچی زبان کا وہ اولین شاعر ہے۔ جس نے اپنی تخلیقات میں تشبیہ تمثیل اور استعار کا بھرپور

استعمال کیا اور، نزاکت تخیل کو ایک اضافی قدر کی حیثیت سے متعارف کرایا۔

ملا فاضل کو عربی اور فارسی زبانوں پر اس قدر قدرت حاصل تھا۔ کہ وہ بلوچی منظومات میں عربی اور فارسی کے ابیات نہایت بے تکلفی اور بے ساختگی کے ساتھ استعمال کرتا چلا جاتا ہے۔ جیسے کہ کہتا ہے۔

داشتم دست تفرع باخدائے لم یزل
عرش و کرسی و ثریا سکہ زد روز ازل

فاضل کے زمانے میں ایک مرتبہ علاقے میں زبردست سیلاب آیا۔ فاضل نے ایک طویل نظم میں سیلاب کی تباہ کاریوں کا نہایت پر اثر اور دلگذار انداز میں تذکرہ کیا ہے۔ یہ طویل نظم فاضل کی قادرالکلامی اور زور بیان کا ایک نادر روزگار شاہکار ہے۔

ملا فاضل نے ۱۲۷۰ بمطابق ۱۸۵۰ء بعارضہ دردسر وفات پایا۔ ملا فاضل رند کا مجموعہ کلام واجہ بشیر احمد بلوچ نے "شب چراگ" کے نام سے مرتب کیا جسے بلوچی اکادمی کوئٹہ نے چھاپا ہے۔

ملا قاسم: ملا قاسم بلوچی زبان کے عظیم شاعر ملا فاضل کے بھائی تھے اور بڑے نامی گرامی شاعر ہو گذرے ہیں ان کا کلام پہکیں اشرف کے نام سے بشیر احمد بلوچ نے مرتب کیا اور ۱۹۸۷ میں شائع کیا۔

ملا بہرام بن ملا حسن باہو کلات ایرانی بلوچستان کے رہنے والے تھے انکے بڑے

بھائی ملا ابراہیم بہت نامور شاعر تھے۔ باران زئی حاکموں سے قریبی تعلق رکھتے تھے۔ ۶۷ سال کی عمر میں ۱۳۵۹ میں وفات پائی اسلامی تاریخ کے واقعات پر بلوچی میں نظمیں کہی ہیں۔

گدروڈوم: گدروڈم نے ایک نہایت اہم تاریخی واقعہ نظم کرکے بلوچی ادب میں بہت بلند مقام حاصل کرلیا۔ وہ واقعہ مختصراً یوں ہے۔ کہ جس وقت انگریزی افواج لارڈ کینز کے زیر کمان بولان کے راستے افغانستان پر حملہ آور ہوئیں تو راستے میں بلوچ قبائل نے متعدد مقامات پر برطانوی فوجوں پر حملے کرکے انہیں بے حد پریشان کیا درہ بولان سے گذرنے کے بعد انگریزوں نے مری قبائل کو زیر کرنے کے لئے میجر بلموریا کی سرکردگی میں ایک فوجی دستہ مری علاقہ کی طرف بھیجا۔ برطانوی فوجی دستہ فروری ۱۸۶۰ کو روانہ ہوئے۔ اس کے بعد کپتان لوئیس براؤن کو فوجی دستہ دیکر مری علاقہ کے مرکزی شہر کاہان پر مستقل قبضہ کرنے کی غرض سے بھیجا گیا۔ بعد ازاں ۲ رمئی کو لفٹیننٹ کلارک بھیلجی کے مقام سے مسلح افواج لے کر مری علاقہ پر یلغار کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ راستے میں مری قبائل نے لفٹیننٹ کلارک کی سپاہ پر متعدد حملے کئے۔ لیکن انگریزی افواج ۱۲ رمئی کو کاہان پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ علاقہ پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزی افواج بھیلجی جانے کے لئے سارتاف کے راستے واپس جارہی تھیں تو مریوں نے ان پر اچانک حملہ کردیا ایک خوفناک جنگ کے بعد مری قبیلے کے سورماؤں نے تمام انفنٹری کو کاٹ کر رکھ دیا صرف ۱۲ آدمی بچ رہے۔ پانچویں انفنٹری کے ۲ آفیسر اور ۴۴ سپاہی میدان

جنگ میں مارے گئے۔ لیفٹیننٹ کلارک خود بھی مارا گیا۔ انگریزوں نے ۳۱ راگست کو میجر کلبرن کی سرکردگی میں محصور انگریزی افواج کیلئے کمک بھیجا۔ یہ فوجی دستہ ۴۶۴ بایونٹ ۳ عدد توپوں اور ۲۰۰ گھڑ سواروں پر مشتمل تھا۔ میجر کلبرن جب اپنی افواج لے کر لفنک کے درے پر پہنچا تو اسپر مری قبیلہ کے لشکر نے ہلّہ بول دیا۔ دن بھر گھمسان کی جنگ ہوئی۔ شام کے قریب انگریزی سپاہ کو عبرتناک شکست سے دو چار ہونا پڑا۔ اس جنگ میں ۴ برطانوی افسر اور ۱۷۸ سپاہی مارے گئے اور ۹۲ سپاہی شدید زخمی ہوئے انگریزی سپاہ نے تمام ہتھیار اور توپ بمعہ سامان رسد میدان میں چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی۔ کمک کی ناکامی پر کیپٹن براؤن نے جو کاہان میں محصور تھا۔ بامر مجبوری تمندار مری سردار دودہ خان کی شرائط تسلیم کرلیں اور مری علاقہ چھوڑ دیا۔ تمندار مری سردار دودہ خان نے میجر براؤن اور اس کے ہمراہیوں کو ہڑی تک بحفاظت واپس پہنچانے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ چنانچہ تمندار مری کے ہدایات کی تعمیل میں کسی نے بھی تمام راستہ انگریزی سپاہ سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہیں کی۔ اور یوں بلوچوں نے انگریزی سامراج کو نہ صرف میدان جنگ میں شکست دی بلکہ انگریزوں کی فوج کو بحفاظت واپس پہنچانے کا عہد پورا کرکے اخلاقی میدان میں بھی فتح کی شاندار مثال قائم کی۔

گدو ڈومبکی نے اسی واقع کو نظم کا جامہ پہنا کر حریت پسند بلوچوں کی مجاہدانہ سرگرمیوں کو خراج تحسین پیش کیا۔ گدو ڈومبکی نے اس نظم میں نہ صرف بلوچ مجاہدین کے سرفروشانہ عزائم کی تعریف کی ہے بلکہ انگریزی

سپاہ کے سربکف سورماؤں کے شجاعت کو بھی دل کھول کر داد دی ہے۔ گدو کی یہ نظم نہ صرف تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ بلکہ رزمیہ ادب کی ایک نادر روزگار شاہکار ہے۔

بجار مری بجار بلوچی زبان کے شعلہ نوا شاعر رحمعلی مری کے والد تھے۔ وہ ایک بہت بلند پایہ اور بدیہہ گو شاعر تھے۔ بجار نے رومانی شاعری کے ساتھ ساتھ رزمیہ شاعری میں بھی اپنا لوہا منوایا۔

انیسویں صدی کے نصف اول میں انگریزوں نے جب اپنا تسلط مستحکم کر لیا تو انگریزی فوج کے دستے اہم شاہراہوں پر گشت کرنے لگے۔ ایک مرتبہ جب مری قبیلہ کے چند نوجوان تلی اور سبی کے درمیانی راستے پر لہڑی جانے کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں لیویز کے سپاہیوں نے انہیں آگے جانے سے روکا کیونکہ اس راستے پر فوج کے دستے گشت میں مصروف تھے۔ مری قبیلہ کے نوجوانوں نے جب اس ناجائز پابندی کے خلاف احتجاج کیا اور آگے جانے کے لئے اصرار کیا تو لیویز کے سپاہیوں نے اس شرط پر انہیں آگے جانے کی اجازت دینا چاہی کہ وہ اپنا اسلحہ لیویز والوں کے حوالہ کر دیں اور غیر مسلح ہو کر جائیں۔ قبیلہ کے حریت پسند نوجوانوں نے اسلحہ لیویز کے حوالہ کرنے کو اپنی توہین خیال کیا اور لیویز کے منع کرنے کے باوجود آگے بڑھ گئے۔ لیویز کے عملہ نے انگریزی سپاہ کو مسلح مریوں کی آمد سے مطلع کیا اور انہیں اس امر سے بھی آگاہ کیا کہ ان کے عزائم خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ مری قبیلہ کے نوجوان جونہی انگریزی

سپاہ کے قریب پہنچے تو کسی قسم کی اشتعال انگیزی کے بغیر فوج نے ان پر اندھا دھند تیروں کی بارش کر دی۔ مری نوجوانوں نے بھی دشمن پر جوابی فائرنگ کی۔ لیکن خودکار مشین گنوں کے مقابلے میں ڈھاڈری بندوق بیکار ثابت ہوئی اور چھ کے چھ مری نوجوان وہیں شہید ہو گئے۔ اس واقعہ کا افسوسناک پہلو یہ تھا کہ مرنے والے چھ افراد میں سے چار آپس میں سگے بھائی تھے۔

بجار مری نے ایک طویل نظم میں ان نوجوانوں کی غیرت و حمیت کو خراج تحسین پیش کیا۔ یہ نظم زبان اور بیان کے اعتبار سے ایک غیر معمولی تخلیق ہے۔ اور اسی ایک نظم نے بجار کے نام اور اس کے فن کو زندگی دوام بخشا ہے۔

عارف یا آرو : آرو بھی نصرت کے ہم عصر شعراء میں سے تھا لیکن اس کا پیشتر کلام ناپید ہو چکا ہے۔ سردار گزین خان مری کی وفات پر اس نے ایک معرکتہ الآرا مرثیہ کہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک قادرالکلام اور پرگو شاعر تھا۔ عمر کے آخری حصہ میں وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکا تھا۔ اور اسی عالم میں وفات پا گئے۔ کہتے ہیں کہ اس نے اسی بات پر ناراض ہو کر سردار گزین خان کی ہجو کہی سردار گزین خان کو کسی نے آرو کی اس گستاخانہ جسارت کا حال سنایا۔ تو اس نے کہا کہ آرو پاگل ہے اسے بکنے دو۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سردار کی بددعا سے آرو سچ مچ پاگل ہو گیا۔ اور آخری عمر میں مجنونانہ حرکتیں کرتا پھرتا تھا۔

رحمعلی مری بلوچی زبان کا آتش بیان شاعر رحمعلی قبیلہ مری سے تعلق رکھتے تھے۔ رحمعلی بجار کا فرزند تھا۔ رحمعلی شعراء کے اس قبیل سے تعلق رکھتے تھے۔ جن کی شاعری خود شعر و سخن کے لئے وجہ افتخار تھی۔ جیسے کہ مرزا غالب نے کہا ہے۔

شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما

بلوچ شعراء میں سے رحمعلی مری کو بچپن میں ہی توکلی مست سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی۔ ایک مرتبہ مست علاقے میں کسی کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ اس کے اعزاز میں قرب و جوار کے لوگوں کو دعوت طعام میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ کھانے کے بعد دیر تک محفل شعر و سخن گرم رہا۔ رات گئے جب لوگ اپنے گھروں کو جانے لگے تو ایک نوعمر لڑکا وہیں بیٹھا رہا۔ مست نے اسے خطاب کرکے کہا کہ بیٹے تم بھی اپنے گھر چلے جانا تمہارا باپ انتظار کر رہا ہوگا۔ یہ لڑکا رحمعلی مری تھا۔ اس نے جواب دیا کہ میرا باپ فوت ہو چکا ہے۔ مست نے کہا کہ پھر تمہاری ماں تمہاری منتظر ہوگی۔ رحمعلی نے کہا کہ اس کی ماں بھی فوت ہو چکی ہے۔ اور وہ اپنے ماموں کے ہاں رہتا ہے یہ سن کر مست کو بہت دکھ ہوا اور رحمعلی کو کسی آدمی کے ہمراہ اس کے ماموں کے ہاں بھجوا دیا۔ صبح ہوئی تو رحمعلی ایک بزغالہ جو اسے اس کے ماموں نے پالنے کے لئے دیا تھا۔ مست کی مہمانی کے لئے لے کر آیا۔ مست نے بزغالہ ذبح کرانے کے بعد گوشت خیرات کے طور پر حاضرین میں تقسیم کر دیا۔ اور رحمعلی کے لئے نیک دعا کی کہ خدا کرے گا۔ کسی کے محتاج

نہ ہوگا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے ۔ کہ رحمعلی کی شاعرانہ عظمت کا راز مست کی نیک دعاؤں میں مضمر ہے۔

رحمعلی بڑا ہو کر مری قبیلہ کا ریزوار شاعر بنا۔ ریزوار اس قومی شاعر کو کہا جاتا ہے جسے تمام قبیلہ اظہار عقیدت کے طور پر سال کے اختتام پر ایک قسم کا ٹیکس جو نقد یا جنس کی صورت میں ہوتا ہے۔ ادا کرتا ہے۔

۱۸-۱۹۱۶ کے جنگ عظیم کے دوران انگریزوں نے بلوچستان کے جنگجو قبائل پر مشتمل ایک فوج بھرتی کرنے کا ارادہ کیا۔ بلوچستان کے ایجنٹ گورنر جنرل نے بلوچستان کے تمام قبائلی سرداروں کے ایک اجتماع میں ان سے فوج میں بھرتی دینے کے لئے آدمی دینے کا مطالبہ کیا۔ ہر چند تمام سردار اس تجویز کے مخالف تھے۔ لیکن مصلحتاً خاموش رہے لیکن نواب خیر بخش خان تمندار مری نے بھرتی دینے سے صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔ بلوچستان کے عوام انگریزی سامراج سے پہلے سے ہی بیزار تھے۔ انگریزوں کے اس مطالبہ پر کہ فوج کے لئے بھرتی دی جائے عوام سخت برافروختہ ہوئے چنانچہ انگریزی اقتدار کے خلاف نفرت کی ایک شدید لہر اٹھی اور مری علاقہ میں شورش برپا ہو گئی۔ لوگوں نے انگریزی علاقوں پر مسلح حملے شروع کر دیئے اور گمبذ کے سرکاری قلعہ پر قبضہ کرنے کے لئے مری کا ایک عظیم لشکر جمع ہوا اور ہلہ بول دیا۔ قلعہ میں محصور انگریزی سپاہ نے مری لشکر پر مشین گنوں اور جدید قسم کی رائفلوں سے گولیوں کی اندھا دھند بوچھاڑ شروع کر دی جس کے نتیجہ میں سینکڑوں مری جانباز شہید اور زخمی ہوئے۔ گمبذ کے قلعہ پر مری قبیلہ کی لشکر کشی کا حال سن کر انگریزوں نے جنرل ہارڈی

کے زیر کمان ایک فوجی دستہ قبیلہ کو زیر کرنے کے لئے روانہ کیا۔ انگریزی فوج اور مری لشکر کے درمیان ہڑب کے مقام پر زبردست معرکہ آرائی ہوئی۔ تربیت یافتہ انگریزی سپاہ جنگی چالوں سے بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ انہوں نے پہاڑ کی بلندی پر مورچے قائم کرلئے اور مری لشکر پر اس وقت حملہ کیا، جبکہ وہ ڈھلوان پر تھا۔ مری قبیلہ کے جیالے انتہائی بے جگری سے لڑے مگر بلوچی فوج کو اس جنگ میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور اس معرکے میں سینکڑوں نوجوان شہید اور زخمی ہوئے۔ رحمعلی مری نے اسی معرکہ حق و باطل کی منظوم تاریخ ایسے جوش اور جذبہ سے رقم کی ہے کہ بلوچی ادبیات کی تاریخ میں ایسی عظیم رزمیہ داستان کی نظیر نہیں ملتی۔ رحمعلی نے تقریباً ڈیڑھ ہزار ابیات پر مشتمل یہ رزمیہ داستان کہہ کر تاریخ میں اپنا نام ہمیشہ کے لئے زندہ رکھا۔

میر ہزار خان : میر ہزار خان مری رومانی شاعر تھے۔ ان کے اشعار کا بیشتر حصہ تلف ہو چکا ہے۔ ان کی صرف ایک آدھ نظم یادگار رہ گئی ہے۔

میر محمد خان مری : میر محمد خان مری نے گبذ کے جنگ میں عملاً حصہ لیا جس کے نتیجہ میں وہ انگریزوں کے غیض و غضب کا نشانہ بنا اور اسے طویل مدت کے لئے قید و بند کی سزا دی گئی۔ اور وہ کافی عرصہ حیدرآباد جیل میں مقید ہونے کے بعد رہا کر

دیئے گئے۔ انہوں نے گنبد جنگ کے متعلق بھی ایک نظم کہی اور اپنے قید و بند کی روئیداد بھی نظم میں بیان کی۔ ان کی مزاحیہ نظمیں بھی مشہور ہیں۔

میر محمدان خان گشکوری محمدان خان گشکوری ایک بلند پایہ شاعر تھے اور توکلی مست سے ان کے قریبی روابط تھے۔ مست جب بھی سیوی جاتے تو محمدان خان سے ملنے ان کے گاؤں ٹکّی جو سیبی کے قرب وجوار میں واقع ہے۔ ضرور جایا کرتے اور وہاں شعر و سخن کی محفل برپا کرتے۔ محمدان خان ایک صوفی منش شاعر تھے۔ ان کے زیادہ تر اشعار حمد و نعت پر مشتمل ہیں۔ غرضیکہ توکلی مست کا عہد بلوچی زبان کے فروغ اور ترقی کا ایک زریں عہد تھا

وفات: مست نے تقریباً ۶۵ سال کی عمر میں ۱۸۹۶ء میں وفات پائی وفات سے پیشتر آپ نے وصیت کی کہ ان کا جنازہ ایک اونٹ پر لادا جائے اور جہاں اونٹ بیٹھ جائے وہیں ان کی میت دفن کی جائے چنانچہ ان کی وصیت کے مطابق ان کا جنازہ ایک اونٹ پر رکھا گیا۔ طویل مسافت طے کرنے کے بعد اونٹ ایک وسیع و عریض میدان میں بیٹھ گیا۔ جہاں سے اسے اٹھانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی لیکن اونٹ وہاں سے نہ اٹھا اور انہیں وہیں دفن کیا گیا۔ اور مست کے نام کی رعایت سے اس میدان کا نام مست

میدانگری" رکھا گیا۔

توکلی مست کا مزار آج بھی مرجع خاص و عام ہے جہاں ہر وقت زائرین کا مجمع لگا رہتا ہے اور ان کے قیام و طعام کا باقاعدہ انتظام کیا جاتا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ہماری چند اہم مطبوعات

○ بلوچستان کی کہانی شاعروں کی زبانی	مرحوم میر گل خان نصیر ملک الشعراء
○ بلوچستان ماقبل تاریخ	ملک محمد سعید بلوچ
○ شپ چراگ	بشیر بلوچ
○ بلوچی گرامر (اردو میں)	آغا میر نصیر خان احمد زئی
○ بلوچی کارگونگ	آغا میر نصیر خان احمد زئی
○ بلوچی گرامر (انگریزی میں)	آغا میر نصیر خان احمد زئی
○ بلوچی عشقیہ شاعری	مرحوم میر گل خان نصیر ملک الشعراء
○ بلوچی رزمیہ شاعری	مرحوم میر گل خان نصیر ملک الشعراء
○ تپل وگالوار	غوث بخش صابر
○ توکلی مست	مرحوم میر مٹھا خان مری
○ ربیتگیں لال	محمد یوسف گچکی
○ تاریخ بلوچستان	لالہ ہتو رام
○ پرنگ	مرحوم میر گل خان نصیر ملک الشعراء
○ گاریں گوہر	مرحوم ڈاکٹر محمد حیات مری
○ مکران ءِ شعر	مولوی عبداللہ پشینی ءُ پربستگیں
○ زری تود	ملک دینار میرواڑی دشتیاری دپتر
○ شتو بیلی منت	مٹھا خان مری

بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ